ہیں سراپا **شفیق** بانئ پاسباں
ان کی محنت سے روشن ہے یہ کہکشاں

ان کی شفقت کا شاہد ہے یہ کاروان
جن کا اخلاص ہے آج سب پر عیاں

(فیضان احمد اعظمی)

ماہ جنوری 2021

جمع و ترتیب

مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی ممبر پاسبان علم وادب

نام کتابچہ	:	پاسبانی تراشے
جمع و ترتیب	:	مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی
صفحات	:	ایک سو چھیالیس (146)
اشاعت	:	ماہ جنوری 2021
ترتیب و تزئین	:	مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی
موبائل نمبر	:	(+91) 7387127358

فہرست مضامین

نعت رسول ﷺ

بقلم :- مولانا مسیح الدین نذیری پورہ معروف مئو

جس نے دیکھا شہِ کونین کے دربار کا رنگ
اس کو ہر رنگِ زمانہ لگے..... بیکار کا رنگ

امن مل جائے سسکتی ہوئی دنیا تجھ کو
تجھ پہ چڑھ جائے اگر... سیدِ ابرار کا رنگ

سوچتا ہوں تجھے طیبہ............ تو سکوں ملتا ہے
جانے کیا حال ہو جب دیکھ لوں اُس پار کا رنگ

اس نے سوچا تھا کہ......... جھٹلائے گا پیغمبر کو
اور پھر چڑھ گیا کنکر پہ بھی..... اقرار کا رنگ

عمر بھر ماند نہیں پڑتا ہے پھر رنگ اس کا
جس پہ اک بار چڑھے.. احمدِ مختار کا رنگ

آیئے عام کریں ....رحمتِ عالم کا پیام
نفرتیں ختم کریں دل پہ کریں پیار کا رنگ

سبزِ گنبد سے ہٹے آنکھ تو پھر میں دیکھوں
باغِ جنت ترے دلکش گل و گلزار کا رنگ

مدحتِ شاہ امم ....کفر کے گلیاروں میں
ہے جدا سب سے مری جراتِ گفتار کا رنگ

ہجر کے کرب سے.... کچھ اور نکھر جاتا ہے
شہرِ طیبہ ترے عاشق.... ترے بیمار کا رنگ

ذکرِ بو بکر و عمر.........حضرتِ عثمان و علی
اب بھی سنتے ہی بدل جاتا ہے کفار کا رنگ

عرش سے آگئے اک پل میں خدا سے مل کر
دیکھنا ہے تو یہاں دیکھئے......... رفتار کا رنگ

دیکھ آئے ہیں **نذیری**....جو درِ شاہِ امم
ان سے تاعمر نہیں اترے گا دیدار کا رنگ

حدفے چند

بقلم :- مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی

الحمدللہ! **پاسبانی تراشے ماہ جنوری** 2021 آپ کی اسکرین پر موجود ہے۔۔۔۔
اس ماہ کے پاسبانی تراشے میں **مفتی عبید اللہ شمیم قاسمی صاحب** کا ایک مضمون بنام **"نوجوان مستقبل کا سرمایہ"** شامل کیا گیا ہے، جو بہت ہی اہم ہے ، جسمیں مفتی صاحب نے نوجوانوں سے متعلق تمام پہلوؤں پر مفید روشنی ڈالی ہے، **آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ** نے اپنے فیس بک پیج ، اور واٹسپ گروپوں میں بھی اس مضمون کو شائع کیا، اور مفتی مدظلہ العالی کے اس مضمون کو **"کشکول راہی حجازی"** نے بھی اپنے مضامین میں شامل کیا ہے جس کی وجہ سے بیک وقت ایک لاکھ سے زائد ان لوگوں تک یہ مضمون پہنچا ہے جو اردو زبان سے واقفیت رکھتے ہیں ۔اللہ تعالٰی مفتی صاحب کے لئے اس گراں قدر نگارش کو ذخیرۂ آخرت اور نوجوانوں کے لئے اصلاح اور اپنی قدر وقیمت پہچاننے کا سامان بنائے۔ آمین
اسی طرح اقبال سہیل کا وہ کلام جو انہوں نے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے دفاع میں ، علامہ اقبال کے کلام کے جواب میں لکھا تھا ، اس کا آسان اور سلیس ترجمہ جو مولانا فضیل احمد ناصری صاحب نے کیا ہے شامل کیا گیا ہے، اقبال سہیل کے اس جوابی کلام کو پڑھ کر علامہ اقبال نے اپنے مجموعے سے اس نظم کو نکالنے کا حکم دیا

تھا اور آگے یہ بھی کہا کہ مجھے خوشی ہوئی کہ اقبال کا جواب دینے والا بھی اقبال ہی ہے۔

اسی طرح، مفتی اجمل قاسمی صاحب و مولانا عبد الحمید نعمانی صاحب کے ، مضامین بھی بہت اہم ہے۔ ویسے سبھی مضامین بہت مفید ہے ، **معلومات** سے بھرپور ہے۔

اسکے علاوہ پاسبانی تراشے! میں آپ دیکھیں گے بہترین نعت ، نظم، غزل، وغیرہ، اور ملک کے موجودہ حالات میں ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے رہنمائی کرتے مضامین، سیاسی سماجی مسائل پر دلچسپ تبصرے ، صحت و طب کے متعلق مفید مشورے ، مرحومین پر تعزیتی تحاریر، اصلاح معاشرہ پر تازہ بتازہ مضامین آئے دن پیش آنے والے نت نئے مسائل اور ان کا حل، اور بھی بہت کچھ۔۔۔۔

ہم نے کوشش کی ہے اس رسالے کو خوب سے خوب تر بنانے کی مزید کے لئے آپ کی قیمتی آراء کا انتظار رہے گا۔۔۔

آپ کی دعاؤں اور مفید مشوروں سے ہمیں حوصلہ ملتا ہے۔۔

نوٹ :- یہ رسالہ صرف برقی شائع کیا جاتا ہے

العبد مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادی

لاتغضب ! غصہ نہ کرو

بقلم :- مولانا شفیق قاسمی اعظمی ، بانئ پاسبان

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے جنت میں لے جانے والا کوئ عمل بتادیجئے آپ نے فرمایا (لاتغضب و لک الجنه) غصہ نہ کرو تمہارے لئے جنت ھے ۔

عن ابی الدرداء رضی الله عنه قال : قلت یارسول الله دلنی علی عمل یدخلنی الجنة قال لاتغضب و لك الجنة (الطبرانی)

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت سے ھے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے کچھ نصیحت فرمادیجئے آپ نے فرمایا غصہ نہ کرو اس نے کئ بار دریافت کیا ھر بار آپ فرمایا غصہ نہ کرو

عن ابی ھریرة رضی الله عنه ان رجلا قال للنبی صلی الله علیه وسلم أوصنی قال لا تغضب فردد مرارا قال لاتغضب (البخاري-6116)

حمید بن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا مجھے کوئی ایسی بات بتادیجئے جس پر ہمیشہ کاربند رھوں بہت زیادہ نہ بتائے کہ میں بھول جاؤں آپ نے فرمایا (لاتغضب) غصہ نہ کرو

عن حميد بن عبدالرحمن بن عوف رضی الله عنه ان رجلا اتى الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله علمنى كلمات اعيش بهن ولا تكثر علي فانسى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتغضب

(الموطا2636)

کسي کو زیر کردینے والا اصل طاقتور نہیں ہے اصل طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے کو قابو کرلے شد

ليس الشديد بالصرعة انما الشديد الذى يملك نفسه عند الغضب

(الموطا 2637 –البخاری -6114 – مسلم -2609)

شفیق قاسمی، اعظمی
بانی پاسبان علم وادب

نوجوان مستقبل کا سرمایہ

بقلم :- مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی

قوتوں، صلاحیتوں، حوصلوں، اُمنگوں، جفاکشی، بلند پروازی اور عزائم کا دوسرا نام نوجوانی ہے۔ کسی بھی قوم وملک کی کامیابی وناکامی، فتح و شکست، ترقی وتنزلی اور عروج وزوال میں نوجوانوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ ہر انقلاب چاہے وہ سیاسی ہو یا اقتصادی، معاشرتی سطح کا ہو یا ملکی سطح کا، سائنسی میدان ہو یا اطلاعاتی ونشریاتی میدان، غرض سبھی میدانوں میں نوجوانوں کا کردار نہایت ہی اہم اور کلیدی ہوتا ہے۔ ماضی میں بھی جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے ہر چھوٹی بڑی تبدیلی نوجوانوں ہی کے ذریعے آئی ہے۔ زمانہ حال میں بھی نوجوان ہی پیش پیش ہیں۔ مستقبل میں بھی ہر قوم وملک انھی پر اپنی نگاہیں اور توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے۔

نوجوان کسی بھی قوم کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں، معاشرے میں نوجوانوں کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے، اپنے معاشرے کا مغز ہوتے ہیں۔اپنے سماج کا آئینہ ہوتے ہیں اور سوسائٹی کا عظیم اثاثہ ہوتے ہیں۔ معاشرے کی نشونما، معاشرے کی بقا اس کی صلاح و فلاح، اس کا مستقبل انہیں کے دامن سے وابستہ ہوتا ہے۔ نوجوان ایک اچھے اور طاقتور معاشرے کے معمار بھی بن سکتے ہیں اور اس کو مسمار بھی کرسکتے ہیں۔ اگر نوجوان کا ذہن گمراہ ہوگیا تو سارا معاشرہ گمراہ ہوجائے گا۔اگر نوجوان کا ذہن روشن نہ ہوا تو معاشرے کا دماغ کبھی روشن نہ ہوسکے گا۔ اگر نوجوان کا کردار غلط ہوا تو قوم کا کردار بھی صحیح نہیں ہوسکتا، معاشرے کی ذہنی نشونما اور فکری ارتقا کا دارومدار نوجوانوں پر ہے۔

قرآن مجید اصحاب کہف کے حوالے سے نوجوانوں کا کردر اس طرح سے بیان کرتا ہے:

{نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى}

[الکھف: 13]

ترجمہ :- ”ہم ان کا اصل قصہ تمھیں سناتے ہیں، وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی“۔

یہ وہ نوجوان تھے جنھوں نے وقت کے ظالم حکمراں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رب العالمین پر ایمان لا کر حق پرستی کا اعلان کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کے عزائم وحوصلے اور غیر متزلزل ایمان اور ان کے عالم گیر اعلان کے بارے میں اس طرح فرماتا ہے: {وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا}

[الکھف: 14]

ترجمہ :- ”ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیے جب وہ اٹھے اور انھوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارا رب بس وہی ہے جو آسمانوں ور زمین کا رب ہے، ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو بالکل بے جا بات کریں گے“۔

ان چند نوجوانوں نے اپنے زمانے میں جو کردار ادا کیا وہ تمام نوجوانوں کے لیے نمونۂ عمل ہے۔ اسی طرح سے قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے چند نوجوانوں کا تذکرہ کیا۔ حضرت موسیٰؑ کو قوم نے ہر طرح سے جھٹلایا لیکن وہ چند نوجوان ہی تھے جنھوں نے کٹھن حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان

کا اعلان کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {فَمَآ آمَنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ}

[یونس: 83]

ترجمہ :- ”موسیٰ علیہ السلام کو اسی قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہ مانا، فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے سربراہ لوگوں کے ڈر سے کہ فرعون ان کو عذاب میں مبتلا کرے گا، بلا شبہ فرعون زمین میں تکبر کرنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا تھا“۔

"**ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ**" کی تفسیر علامہ آلوسی وغیرہ نے شباب سے کی ہے، یعنی چند نوجوان ایمان لے آئے۔

ہر جماعت اپنے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے نوجوانوں کے تعاون کی محتاج ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جماعت کی کوشش ہوتی ہے کہ اسے نوجوانوں کی زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل ہو، کیوں کہ کسی بھی ملک، قوم یا معاشرے میں حقیقی اور مثبت تبدیلی نوجوان ہی لاسکتے ہیں، جب نوجوان مخلص ہوکر اپنے ملک و قوم کے لیے محنت اور جدوجہد کرنے لگتے ہیں تو مثبت تبدیلی، ترقی اور بہتری کو کوئی نہیں روک سکتا، کامیابی ان کے قدموں کی دھول ضرور بنتی ہے۔ نوجوان ہی وہ قوت ہیں، جو اگر ارادہ کرلیں تو ملک کی باگ ڈور سنبھال کر ملک کو اوج ثریا پر پہنچا کر دم لیتے ہیں۔ کامرانی ان اقوام کی قدم بوسی کرتی ہے جن کے نوجوان مشکلات سے لڑنے کا ہنر جانتے ہیں۔ خوش حالی ان اقوام کے

گلے لگتی ہے، جن کے نوجوانوں کے عزائم آسمان کو چھوتے ہیں۔
ترقی ان اقوام کا مقدر بنتی ہے، جن کے نوجوانوں میں آگے بڑھنے کی لگن اور تڑپ ہوتی ہے۔ اگر نسل نو قومی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دیتے ہوئے تعمیر ملت کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور ملک میں ہر برائی کو اچھائی میں تبدیل کرنے کی ٹھان لیں، تو یقین کیجیے کہ تعمیر قوم کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ دریا میں تنکے کی طرح بہہ جائے۔ اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ نسل نو ہی خواہ کوئی بھی میدان ہو اس میں مثبت تبدیلی لانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

دورِ حاضر میں نوجوانوں کو کئی دشواریاں پیش آئی ہیں، ان مسائل کا حل کرنا بہت ضروری ہے، تعلیم وتربیت ان مسائل میں سرفہرست ہے، نوجوانوں کی تعلیم وتربیت میں تعلیمی ادارے نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں، تعلیمی اداروں کی انتظامیہ کو یہ بات ذہن نشین رکھ لینی چاہیے کہ جب نوجوان نظریاتی انتشار و خلل کا شکار ہوتے ہیں تو یہ تباہی و بدنامی صرف اداروں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ نہیں بنتی بلکہ جب نوجوان اس چھوٹے معاشرے سے نکل کر بڑے معاشرے میں قدم رکھتے ہیں تو غلام ذہن ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ جب ذہن ایک بار غلامی قبول کر لے تو ملک و قوم کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا اور ایسی ہی قومیں زوال کا جلد شکار ہوتی ہیں جن میں تعمیری ذہن تخریب کی اساس بننے لگیں۔ علمی احیا اور آزادانہ فکری ماحول ہی تعلیمی اداروں کی بقا کا ضامن ہے۔

اس حوالے سے سب سے بنیادی چیز بہترین تعلیم کا حصول ہے، بہترین تعلیم کا مطلب

مہنگے اور مشہور تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے وسائل اور استعداد کے مطابق آپ جہاں بھی تعلیم حاصل کررہے ہوں آپ کا ایک ایک لمحہ سیکھنے کے عمل میں استعمال ہو۔ اس لئے اس وقت کو ضائع نہ ہونے دیں۔ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ایسا علم جو آپ کو بہترین مسلمان اور اچھا انسان بنائے اور آپ کی صلاحیتوں کو ابھارنے میں معاون ثابت ہو۔ اگر آپ میں لکھنے، پڑھنے، بولنے اور سمجھنے کی بہترین استعداد ہوگی تب ہی آپ مختلف اداروں یا معاملات میں اپنا کردار بہتر طور پہ ادا کر سکیں گے۔

تعلیم ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعے بے روز گاری، جہالت،ناانصافی اور ظلم کا خاتمہ کر کے دنیا کو امن کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے. دنیا کی ترقی یافتہ قومیں اپنے ملک و معاشرے کی ترقی، استحکام اور امن کے قیام کے لئے اپنے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیتی ہیں، اور ان کے مسائل کے حل کے لئے خصوصی اقدامات کرتی ہے، کیونکہ اگر نوجوان صحیح راستہ سے ہٹ جائیں تو معاشرہ عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے۔

وحی الٰہی سے دُوری اور نوجوان

اس وقت امت کے نوجوانوں میں سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ تعلیماتِ الٰہی سے نابلد اور دوری اختیار کیے ہوئے ہیں۔نوجوان طبقہ عموماً قرآن مجید کو ایک رسمی اور مذہبی کتاب سمجھتا ہے۔ اس کتاب کے متعلق ان کا تصور یہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر تعلق قائم بھی کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ تلاوت ہی تک محدود رہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب زمانہ حال کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی اہلیت اور صلاحیت نہیں رکھتی ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کتاب انقلاب ہے۔ یہ عصر حاضر کے چیلنجوں کا نہ صرف مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے بلکہ تمام مسائل کا حل بھی فراہم کرتی ہے۔ قرآن جہاں انسان کو آفاق کی سیر کراتا ہے وہیں یہ ہمیں انفس کی ماہیئت وحقیقت سے بھی روشناس کراتا ہے۔ جہاں عبادت کے بارے میں رہنمائی کرتا ہے وہیں سیاسی معاملات کے لیے بھی رہنما اصول بیان کرتا ہے۔ جہاں اخلاقی تعلیمات کے بارے میں ہدایات دیتا ہے وہیں یہ اقتصادی نظام کے لیے بھی ٹھوس بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ یہ جہاں حلال وحرام کے درمیان تمیز سکھاتا ہے وہیں یہ حق وباطل کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کرتا ہے۔ نوجوان اس کتاب انقلاب کے بغیر حقیقی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اسی کتاب کو کامیابی اور نجات کا واحد ذریعہ سمجھنا چاہیے۔

مسلم نوجوان ذاتی کردار کے حوالے سے بے داغ، عفیف وپاک دامن ہونا چاہیے، ان کا یقین و ایمان پختہ اور اس کے اخلاق و اعمال کا معیار اعلیٰ ہو، وہ عزم بلند اور فکر ارجمند کا مالک ہو، وہ گھر میں محبت کی زبان اور معاشرے میں اخوت کا بیان ہو، اس کا جذبہ وارادہ، اس کا عزم وحوصلہ اور اس کا ولولہ و ہمت بہت عظیم ہو۔ وہ بیک وقت جلال وجمال، محبت و ہیبت کا جامع ہو، اس کے مقاصد جلیل اور اس کی امیدیں قلیل ہوں، اس کا ماضی درخشاں، حال روشن اور مستقبل پُر امید ہو اور اس کی دمکتی ہوئی پیشانی پر ستارہ اقبال و ہوش مندی ہویدا ہو۔

مسلم نوجوان کے لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ وہ "چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کو" یعنی زمانہ کے حالات کے مطابق عملی تصویر بننے اور جوش وعاقبت نااندیشی کے گرداب میں محصور ہونے کے بجائے ہوش وتدبر، غور وفکر سے کام لے کر بزرگوں کے تجربات اور

مسلم اصولوں کی روشنی میں اپنے اسلامی جذبے کے لیے درست اور صحیح میدانِ عمل متعین کرے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ تو آپ کو یاد ہوگا جب سن سات ہجری میں آپ ﷺ اپنے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر عمرہ کرنے کی نیت سے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے، مقام حدیبیہ تک پہنچ کر آپ رک گئے، کفار مکہ نے آگے جانے کی اجازت نہیں دی اور ان شرطوں پر صلح کی کہ اس سال عمرے کی اجازت نہ ہوگی، آئندہ سال عمرہ کرسکتے ہیں، نیز اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان ہوکر مدینہ چلا جائے تو اس کو واپس کریں گے، لیکن مسلمانوں میں سے کوئی اگر اہل مکہ سے آملے تو کفار اسے واپس نہیں کریں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تمام شرائط مان کر صلح کرلی۔

آپ ﷺ کے صلح کرنے کے بعد صحابہ کرام کے جذبات کا کیا عالم ہوا ہوگا جو ایمان ونصرت خداوندی پر یقین کامل کے مالک، جن کے دل جذبہ جہاد سے سرشار اور شوق شہادت جن کی متاع زندگی تھا۔ لیکن اطاعت رسول اور قوت ایمانی کا مظاہرہ کرکے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آئندہ نسلوں کے لیے بالخصوص نوجوان نسل کے لیے اپنے جذبات قابو میں رکھنے اور امیر کے حکم کی تعمیل کا عظیم سبق دیا۔

اسی کے ساتھ ہمیں ملک وملت کے پاسبان ہونے کی حیثیت سے اپنا کردار اس سپاہی کی طرح بنانا ہوگا جس کے ہاتھ فتح مدائن کے وقت قیمتی جوہرات سے مرصع کسری کا تاج زریں آیا، تو وہ اس کو اپنے دامن میں چھپاکر امیر افواج اسلامی حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس لاکر عرض کرنے لگا: " أیھا الأمیر! یہ کوئی بہت قیمتی چیز معلوم ہوتی ہے، یہ میں آپ کے حوالے کر رہا ہوں تاکہ بیت المال میں داخل ہوجائے"،

مسلمان امیر حیرت میں ڈوب گئے کہ اللہ اکبر! اتنا قیمتی جواہرات سے مرصع تاج اور اس غریب سپاہی کی نیت خراب نہ ہوئی، کہا کہ آپ کا نام؟ اس نے دروازے کی طرف منہ کرکے پیٹھ پھیر کر کہا: جس کے لیے میں نے یہ کام کیا ہے، وہ میرا نام جانتا ہے" یہ کہ کر وہ روانہ ہوگیا۔

اس لیے موجودہ حالات میں ہمیں نوجوانوں کی خاص تربیت کرنی ہوگی، اس کے لیے ضروری ہے کہ دین کی بنیادی ضروریات کا علم ہو، نماز روزہ وغیرہ کے ایسے مسائل سے واقفیت ہو جو ہر مسلمان کے لیے جاننا ضروری ہے، نوجوانوں کے اندر خدمت خلق کا جذبہ پیدا کرنا ضروری ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ نبی پاک ﷺ کی پاکیزہ زندگی کا مطالعہ کیا جائے اور آپ کے جانثار صحابہ کرام کی زندگی کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

اللہ تعالی ہمیں دین کی صحیح سمجھ نصیب فرمائے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

دل بدلنے سے سب کچھ بدل سکتا ہے

بقلم :- مولانا محمد صابر القاسمی

,, ایک ہی قسم کا کام مختلف لوگ مختلف غرض و نیت سے کرتے ہیں، کسی قوم کی اصلاح ہی کا کام ہے کہ اس کو مختلف لوگ مختلف غرض و نیت سے کرتے ہیں، خود غرضی کے غیر مخلصانہ اغراض سے قطع نظر کرکے صرف مخلصانہ اغراض کو لو، کوئی یہ سمجھتا ہے کہ قوم کی مالی حالت کی درستی سے قوم بن سکتی ہے، کوئی اصلاح کی جڑ تعلیم کو قرار دیتا ہے، کوئی رسم و رواج و معاشرت پر زور دیتا ہے، کوئی ظاہری تمدن پر مدار رکھتا ہے، کوئی جسمانی قوت پر بھروسہ رکھتا ہے، کوئی سیاسی کامیابی کو قومی اصلاح کا مرکز ٹھہراتا ہے لیکن انبیاء کے نزدیک یہ سب ثانوی درجہ کی باتیں ہیں، وہ اپنی بنیاد صرف قلب کی اصلاح پر رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی اصلی چیز ہے اور اسی کے بدلنے سے سب کچھ بدل سکتا ہے، ان کی غرض خدا کی اطاعت، خدا کی محبت اور خدا کی معرفت ہوتی ہے اور تمام دوسری ترقیوں اور اصلاحوں کو وہ یکسر اسی ایک اصل کی فروع اور اسی ایک جڑ کی شاخیں جانتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی دعوت کی کامیابی سے قوموں کو سلطنت بھی ملتی ہے، دولت بھی ہاتھ آتی ہے، علم بھی حاصل ہوتا ہے، زور اور قوت بھی پیدا ہوتی ہے اور دنیاوی عظمت و جلال کا ہر منظر خادمانہ اس کے استقبال کے لئے آگے بڑھتا ہے، مگر یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ سیاسی مصلحین کی طرح قوت و طاقت ان کا مطمح نظر نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ ان کے سامنے ہوتا ہے وہ صرف خدا کی اطاعت، خدا کی محبت، خدا کی خوشنودی ہوتی ہے اور باقی تمام چیزیں ان کی نگاہ میں فرعی، ثانوی اور ضمنی ہوتی ہیں،،

(سیرۃ النبی، جلد چہارم، ص/32)

فتنۂ ارتداد

بقلم :- مفتی محمد اجوداللہ پھولپوری

یقینا مالک کائنات کا پسندیدہ دین، مذہب اسلام ہے۔ اور خدائے واحد نے اس کی حفاظت و صیانت اور تاقیامت باقی رکھنے کی ذمہ داری خود اپنے ذمہ لی ہے اور اسکی حفاظت کیلئے وہ کسی فرد یا جماعت کا محتاج نہیں۔۔۔ اگر کوئی فرد یا جماعت اسلام سے منحرف ہوکر مذہب اسلام کو چھوڑ بیٹھے تو اس سے اسلام کو کوئی گزند یا نقصان پہنچنے والا نہیں۔

خالق ارض و سماء نہ تو کل کسی کے ایمان کا محتاج تھا اور نہ ھی آج آنے والے کل میں بھی وہ ھر کسی کے ایمان و عبادت سے بے نیاز ھے

فتنۂ ارتداد زمانۂ نبوت سے لیکر آج تک کئی بار معرض وجود میں آیا اور ھمیشہ اس فتنہ کی سرکوبی ھوئی آج ایک بار پھر یہ فتنہ پوری آب و تاب کے ساتھ پھن اٹھائے امت کو ڈسنے کی قوت جمع کرچکا ھے اور اس بار یہ فتنہ جس راستہ سے داخل ھونے کی کوشش کررھا ھے وہ انتہائی حساس اور خطرناک ھے

دین شریعت کی آمد سے قبل جہالت کا بول بالا تھا اور اسقدر اندھیر نگری تھی کہ عورتوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا کوئی انکا پرسان حال تک نہ تھا دین اسلام نے انہیں عزت بخشی اور ایک باوقار روپ اور وجود دیا پردہ کے زریعہ انکی ایک نرالی اور منفرد شان پیدا کی پھر وہ زمانہ بھی آیا کہ ھم ھی میں سے بعض افراد نے جدت پسندی اور آزادئ نسواں کے نام پر عورتوں کو ایک بار پھر جاھلیت کے دور کی طرف ڈھکیل دیا جدت پسندی کے سراب کو ھماری بہنوں نے بھی آب حیات سمجھا اور نتیجہ ایں جاں رسید کہ اسلام اور

ایمان سے بھی دور ھونے لگیں

ھمارے بڑوں نے ھر جگہ اور ھر موقعہ پر امت کی رھنمائی کی لیکن چند بے راہرووں نے اپنی نحوست سے امت کا بیڑہ غرق کردیا اور آزادی نسواں کے نام پر عفت و پاکدامنی کے نقاب کو انکے سروں سے نوچ کر اپنی عقلوں کا پردہ بنالیا مخلوط نظام تعلیم نے عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کردیا نظام شریعت کو فرسودہ کہ کر خود تو اسلام کی سلامتی سے دور ھوئے ھی ھمارے گھروں کی عزتوں کو بھی سلامتی سے کوسوں دور کردیا

نگاہ دور رسی رکھنے والے ھمارے بڑوں نے شاید آج کے پیش آنے والے حالات کے مدنظر ھی مغربی نظام تعلیم کی مخالفت کی تھی اگر اسوقت اس پہ قابو پالیا گیا ھوتا تو آج امت کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا

عفت و پاکدامنی اور شرم حیا ایک عورت کیلئے خوبصورت ترین زیور ھے اور مخلوط نظام تعلیم اس زیور کیلئے سم قاتل ھے یہ زیور ایک بار ھاتھ سے نکل جائے تو سارے معاوضہ بیکار ھیں دنیا کی کوئی کرنسی عفت و پاکدامنی کا بدل نہیں بن سکتیں

آزادئ نسواں اور مخلوط نظام تعلیم و شخصی آزادی کے نام پر شور مچانے والے ٹھیکیداروں کو آگے آکر پیش آنے والے حالات پر زبان کھولنی چاھئے اور اس بات کو واضح کرنا چاھئے کہ کیا آزادئ نسواں یہی ھے...؟ کیا شخصی آزادی اسی کا نام ھیکہ مسلم بہنیں اسلام و ایمان سے دستبردار ھوکر غیروں کے گلے کا ھار بن جائیں...؟ کیا مخلوط نظام تعلیم کا فروغ اسی لئے چاھتے تھے کہ غیر شادی شدہ مردوعورت live in relation کے نام پر فحاشی اور بے حیائی کو عام کریں....؟

کیا اسکول و کالج کے نام پر گھر سے نکلنے والی ھماری بہنوں کا بوائے فرینڈ کے ساتھ ہوٹلوں

اور پارکوں کی زینت بنناھی جدت پسندی ھے...؟
کیا ھائے ھیلو سے شروع ھوکر دوستی کے راستہ بیڈ روم تک پہونچ جانے کانام آزادئ نسواں ھے...؟
کمال تو یہ ھیکہ امت کیلئے ان جان لیوا راستوں کو کھولنے والے سارا ٹھیکرا علماء اور مدارس کے سر یہ کہ کے پھوڑ رھے ھیں کہ علماء نے کچھ کیا ہی نہیں جبکہ حقیقت یہ ھیکہ علماء و مدارس اس مشن کا کبھی حصہ ھی نہیں رھے وہ تو ھمیشہ عملی اور قولی طور پر اسکی مخالفت کرتے رھے اور انہیں فرسودہ خیالات کا حامل کہ کے درکنار کیا جاتا رھا ھمارے بزرگان دین جہاں ایک طرف مدارس کی باگ ڈور سنبھالے انہیں ترقی کے راستے پر دوڑاتے رھے **وھیں دوسری طرف** دینی مجلسوں اور جلسوں کا انعقاد کر امت کو تباھی کے راستہ پر جانے سے بچنے کی تلقین کرتے رھے حضرت والا تھانوی نوراللہ مرقدہ نے تو صاف لفظوں میں کہ دیا "کالج سے بہتر فالج ھے" اسلئے کہ فالج میں تو جان جانے کا خطرہ ھے پر یہاں تو ایمان جانے کا خطرہ ھے ھمارے بڑے تو قریہ قریہ شہر شہر جاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات اور انکی سنتوں کو عام کرتے رھے پر افسوس صرف یہی نہیں کہ قوم نے علماء سے بے اعتنائی کی بلکہ انہوں نے مغربی تعلیم کے ساتھ ساتھ انکی تہذیب و نظریات کو بھی اپنے گھروں میں راستہ دے دیا پھر نتیجہ تو وھی آنا تھا جو آکر رھا اس سے پہلے بھی یہ بات لکھی جاچکی ھے کہ مغربی تعلیم کبھی بھی اسلامی نتیجہ نہیں دے سکتی
اس سلسلہ میں ایک کوتاھی یقینا ھم سے ھوئی وہ یہ کہ ھم نے مخلوط تعلیم کے مضرات سے لوگوں کو آگاہ تو کیا پر بچیوں کے لئے الگ سے تعلیم کا انتظام نہ کرسکے اب ضرورت اس بات کی آن پڑی ھیکہ طالبات کیلئے ایسی تعلیم گاھوں کو یقینی بنایا جائے جہاں وہ مکمل

اسلامی ماحول میں عصری تعلیم حاصل کر سکیں اسکے لئے خود مسلم تنظیموں ملی قائدین و عمائدین اور اھل ثروت حضرات کو آگے آکر اس اھم ضرورت کی تکمیل کرنی ھوگی نسواں کی دینی درسگاھیں کچھ حد تک دینی تعلیم کو فروغ دینے میں کامیاب رھی ھیں عصری تعلیم کو دینی ماحول اور اسلامی تربیت کے ساتھ ھر قسم کے اختلاط سے پاک رکھتے ھوئے قوم کی بچیوں تک پہونچا دینا امت کی بڑی کامیابی ھوگی

والد محترم حضرت محسن الامت علیہ الرحمہ بچیوں کی تعلیم کے سلسلہ میں ھمیشہ فکر مند رھے اللہ کا شکر ھے وہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر ھوچکا ھے سال گزشتہ سے مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم میں بچیوں کی دینی و عصری تعلیم کا سلسلہ بھی شروع ھوچکا ھے دعاء فرمائیں یہ سلسلہ امت کیلئے مفید اور منتظمین کیلئے آخرت میں ذخیرہ ھو

لیکن یہ مسئلہ ایک دو اسکول اور ایک دو فرد کی کاوشوں سے حل ہونے والا نہیں اسکے لئے بڑے پیمانہ پہ کام کرنے کی ضرورت ہے قوم کے صاحب ثروت اور دانشور طبقہ کو بڑی قربانی دینی ہوگی تبھی اس مسئلہ پے قابو ممکن ہے ساتھ ہی سرپرستان دختران کو اپنی بچیوں کی تربیت پہ خاص دھیان دینا ہوگا ورنہ تو پوری قوم کی عزت سرِدار ہے اللہ تعالی امت مسلمہ کی بہن بیٹیوں کی اس فتنہ سے حفاظت فرمائے اور جملہ مسلمانوں کو عقل سلیم عطاء فرمائے.... آمین

مفتی محمد اجود اللہ پھولپوری

نائب ناظم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائمیر اعظم گڈھ

دین کی پاسداری ہماری بقا کی ضامن

بقلم :- مفتی محمد اجمل قاسمی

اس دنیائے فانی کو کسی کل قرار نہیں، یہاں ہر آن تغیر ہے، ہر لمحہ تبدیلی ہے، راحتیں کلفتوں میں تبدیل ہوتی ہیں، اور آزمائشیں کامرانیوں کی نوید بنتی ہیں، شر کے ہولناک اندھیروں کی جڑ سے خیر کے اجالے پھوٹتے ہیں، اور خیر کی بڑھتی روشنی پر شر کی سیاہی حاوی ہوجاتی ہے، کبھی عیش کی راحت بھری چھاوں ہے ، تو کبھی غم کی تپتی ہوئی دھوپ، اور انسانی زندگی ہے جو انہیں حالات کے درمیان جھول رہی ہے، راحتیں پیش آتی ہیں تو انسان اکڑتا اور اتراتا ہے، اور اسے اپنا حق قرار دیتا ہے، اور پریشانیاں گھیرتی ہیں توگھبراتا اور منتیں کرتا ہے اور بہت جلد مایوس ہونے لگتاہے :

''لَايَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَؤُوسٌ قَنُوطٌ. وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاء مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي... ،وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَى بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاء عَرِيضٍ''

(فصلت: 49 و51)

ترجمہ:- '' انسان کا حال یہ ہے کہ وہ بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا، اور اگر اسے کوئی برائی چھو جائے تو ایسا مایوس ہوجاتا ہے کہ ہر امید چھوڑ بیٹھتا ہے، اور جو تکلیف اسے پہنچی تھی اگر اس کے بعد ہم اسے اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیں تو وہ لازماً یہ کہے گا کہ یہ میرا حق ہے...''

دوسری آیت میں فرمایا:

" اور جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور پہلو بدل کر دور چلا جاتا ہے، اور جب اسے کوئی برائی چھو جاتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔"

فرد کی زندگی میں بھی اتار چڑھاؤ ہے، اور قوموں کی زندگی میں بھی نشیب و فراز ہے، کبھی قومیں بڑھتی اور چڑھتی ہیں، اور کبھی رکتی اور سمٹتی ہیں، کبھی فتح کا پرچم لہراتی ہیں اور کبھی شکست وریخت سے دوچار ہوتی ہیں، اللہ کو یہی منظور ہے، یہی ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، غزوۂ احد میں صحابہ کی شکست کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی نے اپنی اسی سنت کو بیان کیا ہے:

''اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ‌ؕ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَـعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ‌ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ'' (آل عمران:140)

ترجمہ :- "اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو(تمہارے دشمن) لوگوں کو بھی زخم پہلے لگ چکا ہے ، یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور(تمہاری شکست سے)یہ مقصد تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے، اور تم سے کچھ لوگوں کو شہید قراردے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

قوموں کو جب عروج نصیب ہوتا ہے تو ان کے لیے اپنے دین دھرم ، تہذیب و کلچر، زبان وادب، علمی ورثے، تاریخی آثار اور قومی وملی تشخص کی حفاظت کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، وہ اگر اس پہلو پر توجہ دیتی ہیں تو ان چیزوں کی حفاظت کے ساتھ اس کو بآسانی فروغ بھی دیتی

ہیں؛ بلکہ طاقت کے زور پر دوسری کمزور قوموں پر اپنی چیزوں کو تھوپنے پر بھی کامیاب ہوجاتی ہیں، انبیاء کے مخالفین نے ہمیشہ اپنے مذہب اور قومی عادات کو انبیاء کرام اور ان کے ماننے والوں پر تھوپنے کی سر توڑ کوششیں کی ہیں، کئی آیات میں یہ مضمون بیان ہوا ہے ، ایک جگہ ارشاد ہے:

''وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم مِّنْ أَرْضِنَآ أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰٓ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ'' (ابراھیم:13)

ترجمہ :-"اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ: ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال کررہیں گے یا(بصورت دیگر) تمہیں ہمارے دھرم میں واپس آنا پڑے گا ، چنانچہ ان کے پروردگار نے ان پروحی بھیجی کہ: یقین رکھوہم ان ظالموں کوہلاک کردیں گے۔"

لیکن جب قومیں سیاسی اعتبار سے مغلوب، یاتعداد و وسائل کے اعتبار سے کمزور اور محکومیت کی زنجیر کی وجہ سے بے بس ہوتی ہیں، جنہیں قرآن مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ کے الفاظ سے بیان کرتاہے، تو پھر ایسی قوموں کے لیے مخالف ماحول میں اپنے وجود اور تشخص کو باقی رکھنا بڑا چیلنج ہوتا ہے، جن قوموں کے پاس اپنا کوئی مذہب اور کوئی فلسفۂ حیات نہیں ہوتا، یا مخالف حالات سے نبرد آزما ہونے کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا، تو ایسی قومیں بہت جلد ہاتھ پاؤں ڈھیلے کرکے حالات سے صلح کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہیں، اور حکمراں قوم کے رنگ میں ڈھل کر جلد ہی اپنے وجود و تشخص کو کھودیتی ہیں۔

مگر جن قوموں کے پاس اپنا کوئی مذہب، تہذیب اور فلسفۂ حیات ہوتا ہے، جن کی تاریخ میں مخالف حالات سے نبرد آزما ہونے کے کامیاب تجربوں کے نمونے ہوتے ہیں، جن کے دین میں مشکل چیلنجز سے نمٹنے کے لیے رہنمایاں ہوتی ہیں، ایسی قومیں اپنی محکومیت ومغلوبیت کے زمانے میں طرح طرح کے نقصانات سے دوچار تو ضرور ہوتی ہے، چنانچہ ان کے بہت سے لوگ آزمائش کے بعض کٹھن موڑ پر ہمت ہار کر ساتھ چھوڑ بھی دیتے ہیں ، بہت سے حصے ٹوٹ کر الگ بھی ہوجاتے ہیں ؛ مگر وہ بحیثیت قوم اپنے وجود اور تشخص کی حفاظت میں بالآخر کامیاب ہو ہی جاتی ہیں ۔

یہود اپنی تاریخ کے طویل دور میں زبردست آزمائشوں اور سخت ترین غلامی کے دور سے گذرے ہیں، ان کی دوبڑی تباہیوں کا ذکر خود قرآن میں اسراء کی آیت4تا 8 میں ہوا ہے، جن میں ایک تباہی ولادت مسیح سے پہلے اور دوسری ولادت مسیح کے بعد کی بتائی جاتی ہے، نزول قرآن کے بعد بھی یہودیوں کو مسلسل شکست وریخت اور نسل کشی کا سامنا کرنا پڑا ہے، ہٹلر کی نازی افواج کے ہاتھوں یہودیوں کی نسل کشی یہودیوں کی آزمائشی زنجیر کی ایک کڑی ہے؛ لیکن ان سب کے باوجود یہودی باقی رہے، اور مذہب سے ان کی وابستگی ہی اس بقا کا بنیادی سبب رہی۔ عیسائیت دنیا کے مختلف ملکوں میں اقلیت میں رہی، اور محکومیت ومغلوبیت سے دوچار رہی؛ لیکن مذہبی رسومات سے وابستگی کی وجہ سے وہ ان ملکوں میں اپنے وجود کوبچانے میں کامیاب رہی۔

مسلمان بھی دنیا کے مختلف ملکوں میں محکومیت اور غلامی کے سخت ترین دور سے گذرے، تاتاریوں کے ہاتھوں دارالخلافہ بغداد کی وسیع آبادی کوتہِ تیغ کیا گیا، شہر نذر آتش کردیا گیا، کتب خانے جلادئے گئے ۔ اسپین میں مسلمانوں کا مکمل صفایا کرکے جارحیت کی بدترین

مثال قائم کی گئی۔ مصطفی کمال اتاترک کے ترکی اور سویت یونین کے زیر اقتدار وسط ایشا کی مسلم ریاستوں میں اسلام کو مٹانے کی کیا کچھ کوششیں نہیں ہوئیں، اسلام، قرآن، دینی علوم اورحد یہ ہے کہ عربی زبان تک سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹ دیا گیا، مسجدیں میوزیم میں تبدیل کردی گئیں، اسلامی سرگرمیاں یک لخت موقوف ہوگئیں، اور مدتوں فضا میں سناٹا چھایا رہا، مگر ان سب کے باوجود مسلمانوں میں مسلمان ہونے کا شعور باقی رہا، گرچہ یہ شعور بعض مرحلوں میں اتنا کمزور اور مدھم ہوگیا، کہ محسوس بھی نہیں کیاجاسکتا تھا، مگر اسلام سے وابستگی اور مسلمان ہونے کا یہی احساس انہیں دوبارہ اسلام کی طرف لانے میں معاون بنا، چنانچہ جیسے ہی جارحیت اور ظلم کے بادل چھنٹے، راکھ میں دبی ہوئی چنگاری شعلے میں تبدیل ہونے لگی، اور ہر جگہ اسلام اور اسلامیت کے مناظر نظر آنے لگے، نئ نسلوں نے دین کی متاعِ گم شدہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کرحاصل کرنا شروع کیا، اور ایک اسلامی لہر وجود میں آگئی۔ اسپین جہاں مسلمانوں کاصفایا ہی کر دیا گیا تھا، وہاں سے بھی اسلام کوہمیشہ کے لیے نکالا نہ جاسکا، چنانچہ جب آمد ورفت کے تیز رفتار وسائل پیدا ہوئے، سفری آسانیاں وجود میں آئیں، اور بین الاقوامی تجارت کو فروغ ہوا، تو معاش کی تلاش میں مسلمان ایک بار پھر اس خطے میں داخل ہوئے، چنانچہ آج اسپین میں مسلمانوں کی تعداد ایک ملین سے زائد ہے، ان کے دینی مدارس ہیں، مساجد کی تعداد بارہ ہزار سے زائد ہے

ہندستان میں اسلام مسلم تاجروں اور زیادہ تر صوفیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ذریعے پھیلا، گرچہ یہاں مسلمانوں کی تعداد کافی ہوگئی، اورصدیوں ان کی حکمرانی قائم رہی، مگر رہے وہ ہمیشہ اقلیت میں، اور اس دور حکمرانی میں بعض مرتبہ ان کے سامنے اپنے وجود وبقا کا مسئلہ ایک مہیب چیلنج کی شکل میں سامنے آیا، عہد اکبری میں "دین الہی" کے نام سے

ایک سرکاری دین جاری کیا گیا، جو ہندومت اورعیسائیت کا آمیزہ تھا، اس نو ایجاد مذہب کو سرکاری مشینری کے بل بوتے ملک کے عوام پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصًا نافذ کرنے کی کوشش کی گئی، دربار اور درباریوں میں یہ نیا دین ضرور نافذ کرلیا گیا، مگر عوام نے عموماً اس مذہب کو مسترد کردیا، صوفیاء کرام نے ان کے دلوں میں ایمان کے جو دیپ جلائے تھے وہی ان کے دین کی حفاظت کا سبب بنے۔

جب مسلمانوں کا اقتدار جاتارہا تو ایک بار پھر اس ملک میں مسلمانوں کی بقا کا مسئلہ ایک ہولناک شکل میں سامنے آیا، اب یہاں اسلام اور مسلمانوں کے بقا کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں رہی کہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اسلام سے جوڑنے کی کوشش کی جائے۔ اور ان میں اسلامیت کے شعور کو زندہ اور تیز کیا جائے، مختلف بہی خواہان اسلام نے اس مقصد کے لیے مختلف کوشش کیں، جن میں دو بہت بنیادی کوششیں مدارس اسلامیہ اور تبلیغی جماعت ہیں، الحمد اللہ ان کے ذریعہ نہ صرف اس ملک میں اسلام اورمسلمان باقی رہے، بلکہ دینی شعور اوراسلامی احکام کی بجا آوری میں یہاں کے مسلمان دنیا کے بیشتر مسلم ممالک کے مسلم باشندوں سے بھی فائق نظر آتے ہیں، اس کے علاوہ ان دونوں ذرائع سے اسلام اور علوم اسلامیہ کی عالمی سطح پر جو بے نظیر خدمات انجام دی گئیں وہ اس پر مستزاد ہیں۔

مذہب کا قوموں کے وجود وبقا اور ان کے تشخص کی حفاظت میں بہت ہی بنیادی کردار ہے، اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے پاس ایک ایسا دین ہے جو دین فطرت ہے، سدا زندہ اور پائندہ ہے، اس کی تعلیمات اتنی سچی اتنی اچھی اور اتنی واضح اور روشن ہیں کہ اس کی رات بھی اس کے دن ہی کی طرح اجالی ہے، مخالف حالات میں فکر و تشویش تو فطری

ہے، مگر کوئی وجہ نہیں کہ ایسے عظیم وشاندار دین کا حامل حالات اور موج حوادث سے گھبرا کر مایوس ہونے لگے، یہ دین ہی ہماری زندگی کا ضامن ہے بس شرط یہ ہے کہ ہم اس کی حفاظت کے ضامن بنیں، وہ ہمارا بہترین پاسبان اور محافظ ہے شرط ہے کہ ہم اس کی پاسبانی اور حفاظت کی ذمہ داری کا حق ادا کریں، اس کی تعلیمات کو عام کریں، اس کے احکام اپنی زندگی میں لائیں، یہ دین اور دینی شعور جب تک امت میں قائم رہیں گے امت بھی قائم رہے گی، ارشاد باری ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ'' (محمد:7)

ترجمہ:- " اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا(اللہ کی مدد سے مراد اس کے دین کی مدد کرنا ہے ، ایمان والے جب اللہ کے دین کے حامی ومددگار ہوں گے اللہ بھی ان کا ناصر ومددگار ہوگا، اوردشمنوں کے مقابلے میں ان کے قدم جمادے گا اور اپنی طاعت پر پختگی اور ثابت قدمی کی توفیق عطا فرمائے گا : روح المعانی

دین پر ثابت قدمی اور استقامت کی اہمیت یوں تو ہر حال میں ہے؛ مگر جب امت مغلوبیت اور محکومیت کے دور سے گذر رہی رہو، اور اس کو اس کے دین و تہذیب سے ہٹانے کی سرتوڑ کوششیں خفیہ اور علانیہ جاری ہوں، تو ایسے مخالف اور ہمت شکن حالات میں استقامت اور دین پر مضبوطی سے جمنے کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے، دین پر استقامت کے بغیر چیلنجز کے دور کو کامیابی سے عبور نہیں جاسکتا۔ مکہ مکرمہ میں جب اسلام سخت آزمائشی دور سے گذر رہا تھا، اوراہل اسلام کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے ظلم وبربریت کے ہر حربے آزمائے جارہے تھے،اس وقت ہدایت کے ان عظیم علمبرداروں

کو جن کی تعداد ابھی مٹھی بھر بھی نہیں تھی مختلف انداز میں بار بار دین پر ثابت قدمی کے درس دیئے جاتے تھے۔ایک موقع پر اللہ تعالی نے ایمان والوں سے کہا کہ اللہ نے تمہیں وہی دین دیا ہے جو نوح کو پھر ابراہیم، موسی اور عیسی علیہم السلام کو دیا گیا تھا اور ان انبیاء کو اس کے قائم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، اس تمہید کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا:

''فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ'' (الشوری:15)

ترجمہ :-"لہذا (اے پیغمبر یہ دین جس کی ان انبیاء نے دعوت دی) تم بھی اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے (اس دین پر) جمے رہو، اور ان (مشرک) لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو، اور کہہ دو کہ میں تو اس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اللہ نے اتاری ہے"۔

خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، مگر سنانا در حقیقت ایمان والوں کو ہے، حکم میں زور پیدا کرنے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے، اور مزید زور پیدا کرنے کے لیے تمہید میں ان انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے جو مخالفت، دشمنی اور سازشوں کے بیچ دین کی دعوت دینے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے میں انبیاء کی صف میں بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں، اس انداز بیان سے ایمان والوں کو مخالف ماحول میں دین پر جمنے کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے، اور ہمت وحوصلہ بھی ملتا ہے۔

ایک اور جگہ مکی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو دین پر جمنے اور ظلم پیشہ مشرکین کے طریقوں سے پرہیز کرنے کا حکم پوری قوت سے دیا گیا، ارشاد ہے:

''فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلاَ تَطْغَوْاْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ' وَلاَ تَرْكَنُواْ إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُواْ فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللّهِ مِنْ أَوْلِيَاء ثُمَّ لاَ تُنصَرُونَ '' (ھود:113و112)

ترجمہ:- "لہذا(اے پیغمبر) جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق تم بھی سیدھے راستے پر ثابت قدم رہو، اور وہ لوگ بھی جو توبہ کرکے تمہارے ساتھ ہیں، اور حد سے آگے نہ نکلو، یقین رکھو کہ جو عمل بھی تم کرتے ہو وہ اسے پوری طرح دیکھتا ہے۔
اور(اے مسلمانو!) ان ظالم لوگوں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا کبھی دوزخ کی آگ تمہیں بھی آ پکڑے، اور تمہیں اللہ کو چھوڑ کر کسی قسم کے دوست میسر نہ آئیں، پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہ کرے۔"

مکی دور میں ہی توحید اوراس کے تقاضوں پر مضبوطی سے قائم رہنے پر ایمان والوں کو زبردست بشارتیں سنائی گئیں، اور بڑے بڑے وعدے کئے گیے، چنانچہ فرمایا گیا:

''إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ . نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ . نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ '' (فصلت: 30 تا 32)

ترجمہ:- "جن لوگوں نے کہا کہ : ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے توان پر بیشک فرشتے یہ کہتے ہوئے اتریں گے، کہ: نہ کوئی خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات

کا غم کرو، اس جنت سے خوش ہوجاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا،ہم دنیا والی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی تھے، اور آخرت میں بھی رہیں گے، اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جس کو تمہارا دل چاہتا ہے ، اوراس میں ہروہ چیز تمہارے ہی لیے ہے جس کو تم منگوانا چاہو، یہ سب کچھ اس ذات کی طرف سے پہلی پہلی میزبانی ہے ، جس کی بخشش بھی بہت ہے ، اوررحمت بھی کامل ہے۔"

جامع ترمذی میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمَرِ "(جامع الترمذي:2260)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں اپنے دین پر مضبوطی سے جمنے والا ایسا ہوگا جیسے انگارے کو ہاتھ سے پکڑنے والا۔"

معروف سلفی عالم علامہ عبدالرحمن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں، خلاصہ حسب ذیل ہے:

"اس حدیث میں آگاہی بھی ہے اور رہنمائی بھی : آگاہی تو یہ ہے کہ آخر زمان میں شر اور فتنے کے اسباب بہت بڑھ جائیں گے، اوردین کو مضبوطی سے تھامنے والے بہت تھوڑے رہ جائیں گے، اور اس تھوڑی سی تعداد کو بھی دشمنوں اور ظالموں کے جبر وتشدد، نیز شکوک وشبہات اورشہوتوں کے فتنوں کی بہتات کی وجہ سے دین پر چلنے میں سخت حالات اور مشکلات کا سامنا ہوگا۔ اور رہی رہنمائی تو اس حدیث میں امت کو پیغام دیا گیا ہے کہ اس قسم کے سخت حالات پیش آکر ہی رہیں گے، لہذا امت کو اس کے لیے ذہن

بنائے رکھنا چاہیے، اور دین کی پیروی کی راہ میں جو بھی پریشانیاں آئیں ہمت اور استقامت کے ساتھ اس کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ جن لوگوں کو یہ حالات پیش آئیں وہ اگر مضبوطی اور پامردی سے دین پر ڈٹے رہیں گے، تو ان کا مقام ومرتبہ اللہ کے نزدیک نہایت بلند ہوگا۔" (بہجۃ قلوب الابرار، حدیث :99)

آج امت سخت حالات ومسائل سے دوچار ہے، ہر روز فتنوں اور آزمائشوں کی نئی یلغار ہے، لوگ سہم کر سنبھل نہیں پاتے کہ کوئی نیا سانحہ یا المیہ دستک دے رہا ہوتا ہے، جو خوف و دہشت اور مایوسی وناامیدی کی کیفیت میں مزید اضافہ کرجاتا ہے، یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ مسلمان ایسے حالات کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں ہے ، اس کی توقعات کچھ اور ہیں اور حالات اس کے بالکل برعکس اسے کچھ اور دکھاتے ہیں، حالاں کہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جنہیں پیش آنا ہی ہے ، اللہ کے رسول نے خبر دی ہے ، آپ کی خبر غلط نہیں ہوسکتی، لہذا ہمیں اپنی سوچ بدلنی ہوگی ، ہمیں یہ تسلیم کرکے زندگی جینی ہوگی کہ ناگواریاں اور ناخوشگواریاں پیش آنی ہی ہیں، اور یہ طے کرنا ہوگا کہ زمانہ ہمارے سامنے کیسے ہی حالات لائے، موج حوادث ہماری راہوں میں کیسا ہی طوفان برپاکرے ہمیں تو اللہ کے دین کو سینے سے لگائے رکھنا ہے، اور ہرحال میں اس پر ثابت قدم رہنا ہے۔

سوچ وفکر کے بدلنے سے ہمارے عزائم بدلیں گے، ہمارے اندر صبر استقامت اور قربانی کے جذبات پیدا ہوں گے، بزدلی اور پس ہمتی، بہادری اورالولعزمی میں تبدیل ہوگی، اورہماری راہ ہزار رکاوٹوں کے باوجود بھی آسان ہوتی چلی جائے گی، اور اسی ایمانی عزم وہمت کے ذریعے ان شاء اللہ ہم آزمائشی دور کو سر کرنے میں کامیاب ہوں گے، ہمارا دین بھی سلامت رہے گا اورہم بھی بحیثیت ایک امت باقی رہیں گے۔

دل کے عزم وارادہ کے ساتھ اللہ سے دین پر استقامت اورثابت قدمی کی دعا بھی کرنی ہے، انسان ضعیف البنیان ہے، اس کے عزم و ارادے بھی کمزور ہیں، پھر سب کچھ کرنے دھرنے اور کامیابی سے ہم کنار کرنے والی ذات اللہ ہی کی ہے، اس کی توفیق وتائید کے بغیر ہماری ہر کوشش وسعی لاحاصل ہے، لہٰذا دعا کا اہتمام بے حد ضروری ہے، قرآن پاک میں اللہ نے اپنے اولوالعزم بندوں کی دعائیں نقل کرکے ہمیں دعا کی تعلیم دی ہے ارشاد ہے:

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللّٰهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۔ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ'' (بقرۃ:250)

ترجمہ:-"جن لوگوں کا ایمان تھا کہ وہ اللہ سے جاملنے والے ہیں، انہوں نے کہا کہ: نہ جانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں، اوراللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں، اورجب یہ (ایمان والے تھوڑے سے لوگ (دشمن کے نامور زورآور سپہ سالار) جالوت اوراس کے لشکروں کے آمنے سامنے ہوئے تو انہوں کے کہا:اے پرور دگار! صبر و استقلال کی صفت ہم پر انڈیل دے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور ہمیں اس کافر قوم کے مقابلے میں فتح ونصرت عطافردے۔"*

یہ چند آیتیں پیش کی گئی ہیں، قرآن پاک میں ایسی آیتوں کی تعداد خاصی ہے جس میں مسلمانوں کو مشکل اور مخالف حالات میں دین کے دامن کو مضبوطی سے تھامنے کی تاکید مختلف انداز میں آئی ہے۔

گذشتہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوئی کہ بحیثیت امت اپنی بقا کے لیے اپنے دین اور دینداری کی حفاظت انتہائی اہم ہے، لہذا ہر ملی شعور اور دینی درد رکھنے والے کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی صلاحیت وحیثیت کے اعتبار سے اپنے دائرہ اثر میں دین ودینداری کو عام کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے، اس فریضہ کو انجام دینے کے لیے پرانے وسائل کو بھی متحرک وفعال بنانا ہوگا، اور زمانہ نے ہمیں جو جدید وسائل دئے ہیں ان کو بھی مثبت انداز میں بروئے کار لانا ہوگا، جس کا جو میدان ہے وہ اس میں کام کرے۔

ہماری بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم نے سارے دینی و ملی کاموں کی ذمہ داری چند تنظیموں، اداروں، تحریکوں اورچند شخصیات کوسونپ رکھی ہے، اورساری توقعات انہیں سے قائم کرکے خود ایک طرف بیٹھ گئے ہیں، ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے ہم انہیں کی طرف دیکھتے ہیں، مشورے دیتے ہیں، توقعات پوری نہ ہونے پر لعن طعن کرتے ہیں، اورخود کسی سطح پر اپنی کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے، بلاشبہ تنظیموں اور با اثر اداروں اور شخصیات کی ذمہ داریاں عام لوگوں سے بہت زیادہ ہیں، مگر کام بہت ہے، تنہا تنظیموں اور بااثر ادارے انجام نہیں دے سکتے، ان کے وسائل بھی محدود ہیں، ضروری ہے کہ ہم میں ہر شخص اپنی ذمہ داری محسوس کرکے اپنا کردار ادا کرے، عام مسلمانوں میں دین، دینداری اوردینی شعوری پیدا کرنے کے لیے مسجد ایک بہت اہم پلیٹ فارم ہے، تیاری کے ساتھ جمعہ میں تقریریں کی جائیں، حالات اور ضرورت کے اعتبار سے صحیح دینی رہنمائی لوگوں کو پیش کی جائے، درس قرآن اور درس حدیث کے حلقے قائم کیے جائیں، رمضان میں مسائل کا حلقہ قائم کیاجائے، گاؤں اور محلہ کے جو بچے عصری اداروں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں چھٹیوں میں ان کے لیے خصوصی اسلامک کورس کا اہتمام کیا

جائے، اس طرح کے اور بھی کام ہیں جو بہت سے اہل علم اور ملی درد رکھنے والے لوگ باہمی تعاون سے انجام دے سکتے ہیں۔

ہماری ایک بہت بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی ملکی پیمانے پر کوئی انقلاب لانا چاہتا ہے، حالاں کہ ایسا اس کے بس میں نہیں، اور اپنے محلہ اور بستی میں تعلیم و تربیت و اصلاح کام کر سکتاہے، مگر اس طرف توجہ نہیں، ہمیں حقیقت پسند بننا ہو گا، اوراپنے اس غلط رویے کوسدھار نا ہو گا۔

ہم عاجز وناتواں بندے اللہ سے عافیت اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں، ہر حال میں دین پر استقامت اور اسلام پر جینے مرنے کی توفیق کے طالب ہیں ، اللہ پوری امت کے حال پر رحم فرمائے، اور اپنی مرضیات پر چلنا آسان کرے۔ آمین!!

(مفتی) محمد اجمل قاسمی

استاد تفسیروادب مدرسہ شاہی مرادآباد

بروزجمعہ بتاریخ:16 جمادی الاولی1442 مطابق :یکم جنوری2021

مسیحائے ملت حافظ شمس الدین کا سانحہ وفات

بقلم :- مفتی شرف الدین عظیم قاسمی

زندگی موت کی تمہید ہے، اس کے تمام ہنگامے، تمام حرکت و عمل، عروج وارتقا اور ادبار وتنزل کے سارے مراحل موت کے سائے میں انجام پاتے ہیں، زندگی کے قافلے رونما ہوتے ہیں، شاہراہ حیات پر سفر کرتے ہیں، پھر فنا کی منزل پر ان کے سفر کا اختتام ہوجاتا ہے،
مگر شاہراہ حیات پر گامزن بے شمار قافلوں میں کچھ ایسے بھی ہر دور میں ہوتے ہیں قدم قدم پر جن کے کارناموں کے نقوش ان شاہراہوں کو روشن کرجاتے ہیں، یہ کردار انہیں ظاہری فنا کے سمندر سے نکال کر زندگی کے آسمان پر پہونچا دیتے ہیں، وہ موت کے سائبان میں بھی زندہ رہتے ہیں اور اس کی خوفناک تاریکیوں میں بھی تابندہ رہتے ہیں،
انہیں سعادت مند لوگوں میں اعظم گڈھ کے شمال علاقے کی ایک علم نواز شخصیت ،محترم حافظ شمس الدین بھی تھے،
اس روئے زمین پر تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ،برتراور اشرف،انسان کی نوع ہے،
اس کی برتری کا بنیادی سبب ایمان کے ساتھ ساتھ اس کے کردار کی بلندی،اس کے اخلاق کی عظمت،اس کے ایثار وہمدردی کے وہ اوصاف ہیں
جو اسے فرشتوں کے درجات سے بھی آگے لے جاتے ہیں،
حافظ صاحب کی زندگی مذکورہ اوصاف کا مکمل نمونہ تھی، وہ گفتار کے غازی نہیں بلکہ کردار وعمل کے آدمی تھے، ان کی زندگی سخاوت و فیاضی کا مظہر اور ہمدردی وغم گساری

کا پیکر تھی، قدرت نے انہیں مال ودولت سے خوب نوازا تھا،علاقے میں ان کا شمار چند خاص دولت مندوں اور ثروت مند لوگوں میں ہوتا تھا، لیکن اس کے باوجود ان کی زندگی، ان کی بود وباش،ان کے افعال وکردار اور ان کے افکار و گفتارپر برستے ہوئے سکوں اور دولت کی بارشوں کا ذرہ برابر اثر نہیں تھا،ورنہ اسی دنیا میں اور اسی سرزمین پر روز مرہ کا یہ مشاہدہ ہے'کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں قدرت نے انہیں نعمتوں سے جہاں نوازا، شہرتوں کی ہلکی سی کرنیں حاصل ہوئیں،مناصب وعہدوں کے ایوانوں میں ان کے قدم داخل ہوئے،وہیں سے مزاج میں تبدیلی، ذہن میں بلندی اور امتیازی حیثیت کا سودا،طبیعت میں عجب وکبر اور سروں پر اپنی برتری کا خمار چھا جاتا ہے،

لیکن حافظ شمس الدین صاحب کی زندگی ان تمام آلائشوں سے پاک تھی، انھوں نے دولت کو اپنی عیش پرستی میں نہیں بلکہ قوم کی ہمدردی اور ملی خدمات میں استعمال کیا، زندگی کی تمام آسائشوں اور سرمایہ کی فروانی کے باوجود کبھی ان کی انکساری،ان کی تواضع اور ان کی کسر نفسی میں فرق نہیں آیا، ان کے دل میں علم کی بہت عظمت تھی، ان کے دینی مزاج کے علاوہ اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی ذہن سازی،فکر ی پرورش، نظریاتی پرداخت دینی فضا میں ہی ہوئی تھی، اسی علم کی عظمت کے نتیجے میں علما ءامت سے بھی وہ بہت محبت کرتے تھے،ان کی معاشی کفالت اور دوسری ضروریات کا خیال کرتے تھے،

ان کی دانست میں اگر کوئی عالم ہوتا اور معاشی لحاظ سے اسے تنگدستی لاحق ہوتی تو ممکن نہیں تھا کہ وہ اس کا تعاون نہ کریں، بیسیوں طالب علم ہمیشہ مختلف مدارس میں ان کی کفالت میں علم کے راستے پر سفر کررہے تھے اور اب بھی ان کا سفر جاری ہے، اس کے علاوہ حافظ صاحب کا دولت کدہ قوم اور علاقے کے تنگدست،مفلوک الحال افراد اور دیگر

امور میں حاجت مندوں کے لیے ہمہ وقت کھلا رہتا تھا
ان کی ملی اور سماجی خدمات اتنی منظم اس قدر وسیع ہے کہ علاقے میں میر صاحب کا نام اس حوالے سے ایک علامت بن چکا ہے،
وہ وقت کے عظیم اسکالر اور جلیل القدر عالم دین استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی علیہ الرحمہ کے عقیدت مندوں میں تھے، حضرت مولانا کے زمانے سے ہی انکی توجہ مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں تھی اور مولانا ہی کی وجہ سے اس ادارے میں خطیر مالی تعاون کا انھوں نے آغاز کیا اور اب تک پورے اہتمام سے یہ تعاون جاری ہے، مولانا اعظمی کے عہد میں انھوں نے اپنے بھائی جناب صلاح الدین صاحب کے ذریعے متعدد کمروں کی تعمیر کی،ان کی مدرسہ سے بے پناہ دلچسپی اور محبت کی وجہ سے اور ان کی گراں قدر بے لوث خدمات کی وجہ سے شوری نے پانچ سال قبل انہیں نائب ناظم منتخب کیا، نظامت کے بعد ان کی خدمات مزید بڑھ گئیں،
جس طرح فیاض ازل نے حافظ صاحب کو علم اور اہل علم کی قدر دانی اور ان حفاظت کے لئے پیدا کیا ہے،اور دینی جذبے سے ان کے وجود کو معمور کیا ہے ،یہی جذبہ،یہی مزاج،اور علم دوستی وانسانیت کا یہی وصف ان کے بھائی جناب صلاح الدین صاحب کے اندر بھی ودیعت کررکھا ہے۔
درمیان میں کچھ حاسدین کیوجہ سے اور مسلسل مولانا علیہ الرحمہ کے خلاف افسانہ طرازیوں اور کذب و افتراء پردازیوں کی وجہ سے وہ مولانا مرحوم سے بدگمان ہوگئے تھے،بلکہ کردیئے گئے تھے مگر شیخ الاسلام کی قیادت بدلنے کے بعد بہت جلد یہ بدلیاں چھٹ گئیں اور مولانا محمد آصف اعظمی ناظم مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور کے ذریعے حقیقت سے آشنائی کے بعد اور افتراء کا پردہ فاش ہونے کے بعد ان کی دلچسپی ومحبت پہلے کی طرح

پھر سے پیدا ہوگئی۔

صلاح الدین صاحب کی علم علماء اور مدارس سے محبت کا ہی نتیجہ ہے کہ انھوں نے معاشی تمام ذمے داریوں کو اپنے سر لیکر حافظ صاحب کو دینی و علمی اور ملی خدمات کے لئے فارغ کرر کھا تھا، حافظ صاحب ہی کے ایماء پر بلکہ دونوں حضرات نے متفق ہوکر دو سال قبل شیخوپور سے ایک کلو میٹر کے فاصلے پر خالص پور میں لب روڈ پر واقع ایک کڑور روپے کی مالیت کا باغ مدرسے کے نام پر وقف کردیا، ادھر ایک سال قبل گیارہ لاکھ کے بجٹ سے مدرسے میں چند کمرے تعمیر کرائے، اس کے علاوہ وقتا فوقتا مدرسہ جب بھی مالی بحران کا شکار ہوتا یہ دونوں حضرات پورے اہتمام سے تعاون کرتے،

حافظ شمس الدین صاحب ایک اندازے کے مطابق 1942/کی کسی تاریخ میں میں موضع چھپیں بلریاگنج میں پیدا ہوئے،مکتب کی تعلیم اردو ناظرہ قرآن اور دینیات وغیرہ گاؤں کے مکتب میں حاصل کی، بعد ازاں حفظ قرآن کی تکمیل مشرقی یوپی کی مشہور درسگاہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور سے کی، حفظ مکمل کرنے کے بعد عالمیت کے ارادے سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ گئے اور وہاں داخلہ لے کر کچھ عرصہ تک پڑھا بھی، مگر کچھ ناگزیر اسباب کی بنا پر مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور علم کا یہ سفر ادھورا رہ گیا، تاہم علماء کے اوصاف اور نیکی وشرافت، تقوی طہارت ، اخلاص للّٰہیت و عبادت وریاضت اور نمود وریا سے یکسر اجتناب کی صورت میں قلندرانہ شان ان کی زندگی کے ساتھ ساتھ آخری دم تک رہی، 2/جنوری بروز سنیچر 2021 کو اٹھہتر سال کی عمر میں قوم کے اس سپوت نے زندگی کی آخری سانسیں لی،اور ہمیشہ کے لیے اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف رخصت ہوگیا، نماز جنازہ بعد نماز مغرب گاؤں کی وسیع وعریض قبرستان میں ادا کی گئی ،جنازے کی نماز مفتی امین صاحب شیخ الحد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور نے

پڑھائی اور علاقے کے تمام مدارس کے اساتذہ علماء نظماء اور اصحاب سیاست کے علاوہ عوام کے مجمع کثیر کی موجودگی میں وہیں مدفون ہوئے ، ایک عرصے کے بعد کسی جنازے میں اتنا بڑا مجمع دیکھا گیا۔یقینا یہ حافظ صاحب کی بے پناہ مقبولیت کی علامت ہے۔

دنیا نے ہمیشہ چڑھتے سورج کی پوجا کی ہے'اکثر اس کا یہ کردار نگاہوں کے سامنے آتا رہتا ہے، اسلام بیزار دنیا دار لوگوں کا تو ذکر نہیں کہ یہی سرزمین ان کے لئے جنت ہے'،مگر وہ لوگ جنہیں اخلاص وایمان کا دعویٰ ہے'ان کا کردار بھی اہل دنیا سے کچھ مختلف نظر نہیں آیا، یہاں بھی کچھ خاص افراد طبقہ علماء میں ایسے تھے جنھوں نے ان سے مالی منفعت کے حصول میں کسی مرحلے پر بھی کسر نہیں چھوڑی مگر آج جب منفعت کی امیدیں ختم ہوگئیں تو کیا مرض میں عیادت کا فریضہ؟ جنازے میں حاضر ہونا بھی انہیں گوارا نہیں ہوا،

حافظ صاحب اگرچہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے اور ان کے ظاہری وجود پر موت طاری ہوگئی مگر درحقیقت اپنے کارناموں اور اپنی خدمات کے باعث وہ اب بھی عظمت کے آسما ن پر زندہ ہیں

اور دلوں کی دنیا میں ،احسان شناسوں کے قلوب میں،تاریخ کے سینوں پر ہمیشہ زندہ رہیں گے۔۔رب دوجہاں ان کی قبر کو انوار سے معمور کردے، ان کی خدمات کا اپنی شان کے مطابق بدلہ عنایت فرمائے، قبر کے تنگ ماحول کو جنت الفردوس کی فضا میں تبدیل فرمائے

خدا کی رحمتیں تیری لحد پر سایہ فرمائیں : ہمیشہ تیری تربت پر فرشتے پھول برسائیں

شرف الدین عظیم قاسمی الاعظمی ، امام وخطیب مسجد انوار گوونڈی ممبئ

بدلتا ہندوستان !

بقلم :- مولانا عبداللہ کھنڈواری

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ
ابھی کل گذشتہ تقریبا دوپہر ۱۲ بجے ہم اپنی دوکان پہ بیٹھے کاروباری مشاغل میں مصروف تھے، کہ اچانک شور و غل کیساتھ ڈھول باجے اور سنکھ بجنے کی آوازیں آنے لگیں، کچھ ہی پَل بعد ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جم غفیر سیلاب کی شکل میں بڑھا چلا آرہا ہے، جس میں ہر شخص اپنی پیشانیوں پہ زرد رنگ کی پٹیاں باندھے اور ہاتھوں میں بھگوا جھنڈا لئے ہوئے ہے، اور اچھل کود کرتے دھونس جماتے ہوئے (ج ے ش ر ی رام) کے نعروں سے پر سکون فضاؤں کو مسموم کرتے ہوئے آ رہے تھے، ایک بڑے بینر پہ رام مندر ٹرسٹ لکھ رکھا تھا، اور سیکڑوں کی تعداد میں موٹر سائیکل سوار ہندوتوا کے نعرے لگا رہے تھے، جو میرے ذہن میں نہیں ہے کہ وہ کلمات کیا تھے،
مقصد ..... جو میرے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ رام مندر کی تعمیر، ہندوتوا کی اسلام پہ جیت ہے،
اس طرح کی بے شمار تحریکیں پورے ملک میں چل رہی ہیں، اب غیروں میں یہ جان پانا مشکل ہوگیا ہے کہ انکی ان تحریکوں میں کون غیر مسلم شامل نہیں ہے،
2013 میں جب مجھے *سوئزرلینڈ* کے ٹور پہ جانا ہوا تو اس ٹور میں 175 غیر مسلم تھے، Zurich City میں پانچ روز ہمارا قیام تھا، میرا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا ٹہلنا پھرنا سب

انھیں کیساتھ تھا، کبھی مجھے انکے سہارے اور مدد کی تو کبھی ان میں سے کسی کو مجھ سے
تعاون کی ضرورت پڑتی، رہنے کیلئے ایک کمرے میں دو ہوتے،میرے پارٹنر Sumit
Nandawani بنارس کے رہنے والے تھے، بڑے اچھے اخلاق کے مالک تھے، نرم اور
اچھی گفتگو کرتے، ہر جگہ مجھے اپنے ساتھ رکھتے، انگریزی زبان میں اچھی مہارت تھی،
جب پورے گروپ کے لوگ اکٹھا ہوتے خواہ کھانے کا ٹیبل ہو یا میٹنگ کا
سبھی ایک دوسرے سے گھل مل کر باتیں کرتے، ہنستے بولتے،
شاید ہی کسی کا لباس زعفرانی ہو یا کسی کی پیشانی پہ ٹیکے ہوں
اور ہر ٹور کی آخری شب میں کمپنی گالا نائٹ پروگرام کا انعقاد کرتی ہے، جس میں
ڈیلروں کو انکی کارکردگی کا اعزاز دیا جاتا ہے، اور مزید ہالی ووڈ کے کچھ ایکٹرس اس میں
مدعو کئے جاتے ہیں جو اپنے جلوے دکھاتے ہیں،

2013 کے اس ٹور میں کسی قسم کا کوئی مذہبی پروگرام پیش نہیں کیا گیا،اور ناہی کوئی
مذہبی چیز گفٹ میں دی گئی

اور جب

2014 میں فرانس جانا ہوا تب بھی یہ ٹور مذہبی رسم و رواج سے خالی تھا

مگر جب

2015 میں نیدرلینڈ (ہالینڈ) کا سفر ہوا تو اچانک فضا ہی بدل گئی، ہر صبح و شام عجیب و
غریب تھی، اکثر ڈیلروں کی نظر اور نظریئے مسلم ڈیلروں کے تئیں بدلے ہوئے تھے، وہ
میل ملاپ، ہنسنا بولنا جو ہم نے پہلے ٹوروں میں پایا تھا وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا
ہر محفل کی رنگت الگ تھی، مجھ سے گفتگو کرنے میں لہجے بدلے ہوئے تھے،

اور *Amsterdam City* کی جو آخری شب تھی، شہر کے 7 star ہوٹل میں کمپنی نے

گالا نائٹ کا انعقاد کیا جس کا نام تھا
، ایک شام نریندر مودی کے نام
زعفرانی شرٹ پہنے ہوئے اکثر ڈیلروں نے اس میں شرکت کی
جنکی پیشانیاں زرد ٹیکوں سے رنگیں تھیں
اور محفل کا آغاز ہندوتوا سنکھ بجا کر کیا گیا، اور ہندو مذہب سے جڑی کچھ ایکٹیوٹیاں پیش کی گئیں

....

،کے ٹور میں یہ رنگت بڑھتی گئی *Hungary & Austria 2017*
کے سفر سے ،اب تک *اسٹریلیا ، چائنا،* *سنگاپور London* *2017*
کینیڈا کے ٹوروں میں یہ ہندوتوا کا رنگ و روپ اتنا پروان چڑھ چکا ہے کہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اکثر کمپنیاں آر ایس ایس کے اشاروں پہ چلنے میں اپنے مستقبل کو روشن سمجھتی ہیں
یقین جانئیے تعصب و تشدد کا زہر پورے ملک میں گھولا جا چکا ہے، اب اسکی تہہ کا بھی اندازہ لگانا ہمارے لئے بہت مشکل ہے
لیکن ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ ہمارا مذہب دین اسلام ہے، ہمارا مشعل قرآن ہے، ہمارا حامی و ناصر رب کائنات ہے،
واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا
اب وقت بیدار ہوجانے کا ہے، اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق قربانیاں پیش کرنے کا ہے، اپنی پستی کے اسباب کو جڑ سے اکھاڑنے کا ہے،
اور آج سخت ضرورت ہیکہ ہم ملّی پلیٹ فارم پہ یکجا ہوں، مسلکی تعصب ختم کریں،

نوجوانوں میں دینی بیداری کی مہم چلائیں، نچلی ذات و اعلی برادری کی سوچ سے ذہن و دماغ کو صاف کریں،
اور ہر ایمان والے کو ایمان کی نسبت پہ گلے لگائیں
خواہ وہ اسدالدین اویسی ہوں یا مختار انصاری، جب تک کہ انکے اعتقاد درست ہوں
یہ مثال اس لئے دی ہیکہ آج کل یہی لوگ موضوع بحث رہتے ہیں
یہ میرے احساس میں آنے والی چند باتیں تھیں جو اب آپ کے حوالے ہیں

عبداللہ کھنڈواری

تبدیلی

بقلم :- مولانا شفیق قاسمی اعظمی صاحب

جس ملک میں **واٹر کولر پر رکھے گلاس کو زنجیر سے باندھنا پڑے**
اور لوگوں کو مسجدوں میں اپنی آخرت سے زیادہ ، **اپنے جوتوں کی فکر ہو**
وہاں
صدر یا وزیر اعظم کی تبدیلی سے کیا فرق پڑتا ھے
تبدیلی کیلیئے ھر انسان کو اپنا **اخلاق** اور کردار بدلنا ہوگا۔

غــــــــزل

بقلم :- مولانا اعظم سیتاپوری

خلوص دل، کہ زباں یہ، وہ آسماں یہ زمیں
یقین یہ، کہ گماں یہ، وہ آسماں یہ زمیں

وہ سوزِ قلب کا مالک، یہ ساحرِ الفاظ
نہ کچھ ہے اِس کا بیاں یہ، وہ آسماں یہ زمیں

مجاہدین اُدھر اور یہ واعظِ منبر
الگ ہے اِن کا جہاں یہ، وہ آسماں یہ زمیں

کوئی شریک ہے غم میں، کوئی خوشی میں فقط
بہت ہے فرق میاں! یہ، وہ آسماں یہ زمیں

وہ بد سلوک پہ احساں، یہ محسنوں کا خیال
ہوا ہے ہم پہ عیاں یہ، وہ آسماں یہ زمیں

ہے نرم خوئی کبھی اور بسا درشتی ہے
مزاج کا ہے نشاں یہ، وہ آسماں یہ زمیں

جنون کی، وہ حدوں سے گزر گیا ہے مگر
کہاں ہے قیس کہاں یہ، وہ آسماں یہ زمیں

عدالت عظمیٰ نوٹ کرے کہ: مسجدیں اسلام کا لازمی اور اٹوٹ حصہ ہیں!

بقلم :- مفتی اظہارالحق قاسمی استاذ: مدرسہ عربیہ قرآنیہ، اٹاوہ، یوپی

ہندوستان کی عدالت عظمی کی طرف سے مورخہ: ۲۷/ستمبر ۲۰۱۸ کو آئے ہوئے اسماعیل فاروقی کیس کے فیصلہ کے پیش نظر جس میں مسجد کے حوالے سے یہ کہا گیا ہے کہ "مسجد اسلام کا لازمی حصہ نہیں" کی مناسبت سے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ پورے ملک کے لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ مسجد اسلام کا لازمی اور اٹوٹ حصہ ہے اور مسجد کے بغیر اسلام کا تصور ناقص اور نامکمل ہے۔ گو کہ یہ فیصلہ اب سے چوبیس سال پہلے قلم بند کیا گیا تھا لیکن چوبیس سال کی مدت کے بعد بھی اگر ہندوستان کی عدالت عظمی اس حوالے سے پورے طور پر واقف نہ ہو سکی تو سوائے افسوس کے اور کیا کہا اور کیا جا سکتا ہے۔

ذیل میں ہم نے مساجد کا اسلام سے کیسا گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہے اس کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے ۔ضرورت ہے کہ ہم آج لوگوں کو بتلائیں کہ مسلمان کے لیے مسجد کی کیا اہمیت وحیثیت ہے اور مسجدیں مسلمانوں کے لیے کس طرح اساس اور بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں ۔ مسجدوں سے ہی اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور مسجدوں سے ہی کاروبار جہاں کو سنبھالا گیا۔

تعمیر مساجد کی اہمیت وضرورت اور تاریخ

اسلام نے فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح کا اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہر فرد پر جو سب سے پہلی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ نماز ہے؛ تاکہ

نماز اس کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کی اصلاح کر سکے۔ ذیل کی حدیث نماز کے اسی عظیم فائدہ کی شاہد ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ: اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے سے ایک نہر گزرتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہ جائے گی؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "نہیں یا رسول اللہ!" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "بالکل اسی طرح جو آدمی روزانہ پانچ مرتبہ نماز ادا کرتا ہے تو اللہ تعالی ان نمازوں کے ذریعے اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں"۔ (مسلم)

فرد کی اصلاح کے بعد معاشرتی اصلاح کا نمبر آتا ہے چنانچہ جب بہت سے افراد مل کر ایک معاشرہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو ان کی اصلاح و تطہیر کے لیے اسلام نے نماز با جماعت کو لازمی قرار دیا ہے۔ جس کے لئے مسجد کا قیام ناگزیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جب اوّلین معاشرہ تشکیل دیا تو اس کے ساتھ ہی مساجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔

حضرت آدمؑ کی اولاد نے جب ایک معاشرہ کی شکل اختیار کر لی تو آپ کا سب سے پہلا کام بیت اللہ کی تعمیر تھا۔ پھر جب آپ کی اولاد اطراف واکناف عالم میں پھیلی تو آپ ہی کے ایک صاحبزادے نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ملّتِ اسلامیہ کے بانی حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ اسی طرح حضرت رسول اکرم ﷺ نے جب دعوت دین کا بیڑا اُٹھایا تو آپ ﷺ نے اپنا مرکز خانہ کعبہ یا مسجد الحرام کو بنایا اور جب کفار کی طرف سے اعلانیہ مخالفت ہوئی تو آپ ﷺ نے دارِ ارقم کو اس کام کے

لئے منتخب فرمایا۔ لیکن جس وقت حضرت عمرؓ اسلام لائے پھر سے خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کی دیواریں تکبیر کے نعروں اور توحید کے کلمات سے گونجنے لگیں۔ پھر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں پر سب سے پہلے قبا میں پھر مدینہ میں مسجدوں کی تعمیر کی۔

پھر اسلام نے سر زمینِ عرب سے قدم باہر نکالا تو جہاں جہاں اسلام کی روشنی پہنچی اور مسلم معاشرہ کا قیام عمل میں آیا، مساجد تعمیر ہوتی چلی گئیں۔ جن میں سے بعض آج بھی اپنی شان و شوکت کے ساتھ موجود ہیں۔ موجودہ دور کے غیر مسلم ممالک بھی جہاں کچھ بھی مسلمان موجود ہیں مساجد سے خالی نہیں۔ اور مسلمان ممالک کا تو ذکر ہی کیا، ہر گاؤں، ہر محلہ اور ہر شہر میں مساجد کے شاندار مینار اپنی عظمت و رفعت کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دور کا وہ معاشرہ جو استحکام، پائیداری اور عظمت و رفعت کی بہترین مثال تھا، مساجد ہی کا مرہونِ منت تھا۔

مسجدکی تعمیر اسلامی معاشرہ کے تشکیل کی خشت اول ہے

اسلامی عقیدہ کے اعتبار سے سب سی پہلی مسجد اور عبادت گاہ جو اس روئے زمین پر تعمیر کی گئ وہ کعبۃ اللہ ہے۔ آپ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد وہیں سے تبلیغ دین شروع کیا لیکن جب آپ ﷺ کو وہاں عبادت سے روکا گیا اور آپ ﷺ کو وہاں سے مدینہ ہجرت کا حکم ہوا تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ چناں چہ جب آپ مدینہ پہونچے تو آپ نے اپنے اصل پڑاؤ سے پانچ کلومیٹر پہلے ہی قیام کیا۔ اُس جگہ کا نام قبا تھا اور آپ ﷺ کے آنے سے قبل وہاں کے کئ خاندان مسلمان ہوچکے تھے۔ آپ ﷺ نے وہاں چودہ دن قیام فرمایا۔ دوران قیام آپ ﷺ نے جس چیز کی طرف سب سے پہلے توجہ دلائی

وہ مسجد کی تعمیر تھی۔اس مسجد کی تعمیر کے لیے نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے بنیاد رکھی بل کہ؛ آپ ﷺ نے تعمیر میں دوسرے صحابہ کے ساتھ مل کر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ صحابہ کرام نے اس میں پورے جوش و جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت کم وقت میں مسجد تعمیر کرڈالی ۔(بخاری)جس کی اللہ تعالی نے تعریف فرمائی۔

جب مسجد قبا کی تعمیر مکمل ہوگئی تو آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے۔وہاں پر پہونچنے کے بعد بھی آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر کا قصد فرمایا اور پہونچنے کے بعد جس جگہ آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی وہ ایک خالی زمین تھی جو کہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی، آپ ﷺ نے یہ زمین ان سے خریدی اوروہاں پر مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ اس مسجد کی تعمیر میں بھی آپ ﷺ نے نہ صرف سنگ بنیاد رکھا بل کہ؛ بنفس نفیس دیگر صحابہ کی طرح محنت کی اور مسجد بنائی۔ صحابہ کرام جب آپ ﷺ کو اینٹیں اور گارا اٹھاتے دیکھتے تو کہتے کہ حضرت! ہم غلامان حاضر ہیں لیکن آپ ﷺ جواب میں صرف مسکر ادیتے اور اپنا کام جاری رکھتے۔اس سے آپ ﷺ کے جاں نثاروں میں اور ہمت بندھ جاتی اور وہ مزید محنت سے مسجد کی تعمیر میں لگ جاتے۔(بخاری)

سوچنے کا مقام ہے کہ کوئی آدمی اگر کہیں جاتاہے تو پہلے کیا تلاش کرتاہے ؟ظاہر ہے کہ وہ اپنی بود وباش کے لیے چھت اور جینے کے لیے کھانے کا نظم کرتاہے ؛لیکن نبی پاک ﷺ نے مدینہ پہونچ کر اپنی بودوباش اور قیام وطعام کی فکر کرنے کے بجائے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی فکر کی۔جس سے اسلام سے مسجد کے تلازم کو آسانی سے سمجھا اور باور کیا جاسکتاہے۔

مسجدسے محمد رسول اللہ ﷺ کا تعلق

ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے لیے آپ ﷺ کا ہر عمل واجب العمل ہے اور ہر عمل کی ہمارے نزدیک اہمیت اتنی ہے جتنی آپ ﷺ نے ہمیں بتلائی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مسجد کی کیا اہمیت رہی ہے:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ گھر کے کاموں میں مشغول رہتے لیکن جیسے ہی اذان کی آواز سنتے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مسجد تشریف لے جاتے۔ سفر سے واپسی ہوتی تو پہلے مسجد تشریف لے جاتے، دو رکعت نماز ادا فرماتے اور پھر گھر تشریف لاتے۔ فقر وفاقہ کی نوبت آتی تو مسجد تشریف لے جاتے۔ خوف و گھبراہٹ یا پریشانی کا موقع ہوتا تو مسجد تشریف لے جاتے۔ سورج یا چاند گرہن ہوتا تو مسجد تشریف لے جاتے۔ مرض الوفات میں صرف تین یا چار روز مسجد نہ جاسکے تو بے چین ہوگئے، دو لوگوں کا سہارا لے کر اس حالت میں مسجد تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے مبارک پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اگلے روز اتنی بھی ہمت نہ تھی تو گھر سے پردہ اٹھا کر جھانکا اور مسلمانوں کو حضرت ابو بکر کی امامت میں سر بسجود دیکھ کر چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ غرض کہ نبی پاک ﷺ اپنے ہر عمل میں مسجد کی طرف رخ فرماتے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ زمین میں سب سے محبوب جگہیں اللہ کے نزدیک مسجد یں ہیں (مسلم) ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سات لوگوں کو اللہ تعالی قیامت کے دن عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کا دل مسجد وں سے اٹکا رہتا ہو۔ (بخاری) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے روز فرشتے ہر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر لوگوں کے نام لکھتے ہیں اور آنے والوں کے لیے۔۔۔۔ ترتیب وار زیادہ اور کم

ثواب لکھتے ہیں ۔(مسلم)

اعتکاف کے حوالے سے آپ ﷺ کے معمولات واضح طور پر بتلاتے ہیں کہ مسلمان مسجد کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ چناں چہ آپ ﷺ ہر سال (مسجد کے اندر)دس دنوں کا اعتکاف فرمایاکرتے تھے۔(ابو داؤد)ایک اور حدیث میں ہے کہ:اعتکاف صرف جامع مسجد میں (جس میں جمعہ کی نمازہوتی ہو)جائزہے۔(ابو داؤد)

ٹھہریے!اورذراسوچیے!کہ نبی پاک ﷺ کی زندگی میں مسجد کا عمل دخل کتنا تھا۔ کیاجو اعتکاف آپ ﷺ مسجد میں کیاکرتے تھے اور اس کے جملہ شروط وحدود مسجد کی چہاردیواری کے اندر قیام کے ذریعے ہی انجام پاسکتے تھے انھیں کسی اور جگہ سے متعلق کیا جاسکتاہے؟ظاہرہے کہ نہیں۔ اس سے بھی سمجھاجاسکتاہے کہ مسجد کا اسلام کا کتناگہرا اور لازمی رشتہ ہے۔شرط ہے کہ چشم بینا ہو۔

مسلمانوں کے لیے مسجد میں آنے کا حکم اورنہ آنے پروعید

نبی پاک ﷺ کی مختلف احادیث و ارشادات سے مسلمانوں کو مسجدوں میں جانے بل کہ ؛ مسجدوں کو لازم پکڑنے کا حکم واضح طور پر ملتاہے۔آیئے دیکھتے ہیںکہ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے کیا ارشاد ات ہیں:

مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے یوں رخصت چاہی کہ اے اللہ کے رسول! (میں نابینا ہوں) مجھے کوئی گھر سے مسجد لانے والا نہیں۔ تو کیا میں گھر میں نماز پڑھ سکتاہوں؟تو آپ ﷺ نے ان کو رخصت دے دی۔ لیکن جب وہ صحابی جانے کے لیے مڑے تو آپ نے انھیں بلا کر پوچھا! کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟تو انھوں نے کہا: ہاں یا رسول

اللہ! آواز سنتا ہوں۔تو آپ ﷺ نے فرمایاپھر مسجد میں آکر نماز پڑھو۔(مسلم)

ذرا سوچیے تو سہی کہ ایک نابینا صحابی یہ رخصت چاہ رہے ہیں کہ انھیں گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت مل جائے لیکن اگر اذان کی آواز ان کو سنائی دیتی ہو تو انھیں گھر میں پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اس سے پتہ چلتاہے کہ اگر ایک معذور آدمی کو مسجد چھوڑ کر گھر میں پڑھنے کی اجازت نہیں مل رہی ہے تو جو لوگ تندرست وتوانا ہوں ان کو مسجد چھوڑ کر گھر میں بیٹھ جانے اور گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت مل سکتی ہے۔اس سلسلے کی اگلی حدیث ملاحظہ فرمائیں:

آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان کی آواز سنی اور نماز کے لیے (شرعی عذر کے بغیر)مسجد نہیں گیاتواس کی نماز نہیں ہوئی۔(ابن ماجہ)

ایک اور حدیث میں حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ: بیشک اللہ تعالی نے تمہارے نبی کے لیے عبادت کے طریقے مقرر فرمادیے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جب مسجد میں اذان دی جائے تو اس میں حاضر ہوکر نماز اداکرو۔پس اگرتم اپنے گھروں میں (فرض) پڑھوگے جس طرح فلان شخص جماعت چھوڑنے والا گھر میں نماز ادا کرتاہے تو گویاتم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا۔اوراگرتم اپنے نبی کا طریقہ چھوڑدو گے تو گمراہ ہوجاؤگے۔(مسلم)

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ (صحابہ)یہ سمجھتے تھے کہ مسجد میں آکر نماز نہ اداکرنے والا ایسا منافق ہے جس کا نفاق بالکل واضح ہے یا پھر وہ بیمار ہے حالانکہ (ہم سے جو شخص بیمار ہوتا)وہ بھی دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ آتااور نماز ادا کرتا۔(مسلم)

غورکرنے کا مقام ہے کہ اگر آدمی مسجد چھوڑ کرگھر میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز نہ

ہونے اوردوسری حدیث کی رو سے ایسے شخص کے گمراہ ہوجانے کا فیصلہ فرمایاجارہاہے۔ اگر مسجد اسلام کا جزولاینفک نہ ہوتی تو اتنی بڑی بات کیوں کر کہی جاتی؟سوچیے!

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:نماز عشاء اور فجر مسجد میں آکر اداکرنامنافقوں پر بہت بھاری ہے۔اگرلوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ ان دونوں نمازوں کا مسجد میں آکر اداکرناکتنازیادہ باعث اجروثواب ہے تو وہ مسجد میں گھٹنوں کے بل چل کر آئیں۔(مسلم)

ایک اور حدیث میںہے کہ آپ ﷺنے مسجد نہ آنے والوں کا گھرجلانے کا ارادہ فرمایا:حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:میں نے ارادہ کیاکہ میں لوگوں کو نماز کا حکم دوں کہ وہ کھڑی کی جائے اور ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی جماعت کرائے۔پھر کچھ دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر جاؤں اور لکڑیوں کا ڈھیر ساتھ ہو جنھیں آگ لگاکران لوگوں کے گھر جلادوں جونماز کے لیے (مسجد) نہیں آتے۔(مسلم)

ایک منٹ!نبی پاک ﷺ جیسے نرم اور رحم دل شخصیت کی طرف سے اتناسخت اعلان کیا بتلاتاہے ؟ کیاوہی جو آپ کہہ رہے ہیںکہ مسجد اسلام کا لازمی حصہ نہیں یاوہ جومیں کہہ رہا ہوں کہ مسجدیں اسلام کا لازمی اور اٹوٹ حصہ ہیں اور مسجد وں کے بغیر اسلام کا تصور ناقص ہے۔

مسجد یں تعمیر کرنے کی ترغیب وحکم اور مسجدوں سے منع کرنے پر نکیر

قرآن مجید میں مسجد وں کی تعمیر کرنے والوں کی یہ تعریف کی گئی ہے: بیشک اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اورنماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور نہیں ڈرتے مگر صرف اللہ سے۔(سورہ توبہ)ترمذی شریف میں ہے کہ : جس نے کوئی مسجد بنائی وہ چھوٹی ہو یا بڑی تو اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

قرآن فرماتاہے کہ : اس شخص سے بڑاظالم کون ہوگا جواللہ تعالی کی مسجدوں میں اللہ تعالی کے ذکرکیے جانے کو روکے اور ان میں خرابہ پھیلانے کی کوشش کرے ۔(سورہ بقرہ) ابوداؤد شریف، بخاری اور مسلم شریف میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ : نبی پاک ﷺ نے مختلف محلو ں میں مسجدیں تعمیر کرنے اور انھیں صاف ستھرا رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

آخری حدیث پڑھیے اور سر دھنیے کہ حضرت شارع علیہ السلام کیافرمارہے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر ہرمحلے اور ہر ہر آبادی میں مسجدوں کی تعمیر کرو۔ کیااس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ مسجد اسلام کا اٹوٹ حصہ ہے۔

خلاصۂ بحث

مذکورہ بالا دلائل وشواہدتو بس مشتے ازخروارے کی مثال ہیں ورنہ بے پناہ آیات و احادیث سے مسجد کی اہمیت و فضیلت حاصل ہوتی ہے۔جن کی بنیاد پر یہ بات واضح طور پر کہی جاسکتی ہے کہ مسجدیں اسلام کا جزولاینفک ہیں ۔مسجدوں کے بغیر اسلام کاتصور ممکن ہی نہیں ۔ اوپر مذکورچیزیں تو نماز ہی سے متعلق ہیں ورنہ اسلام کے جملہ معاملات چاہے وہ دین سے متعلق ہوں ،یاعلم سے ، حکومت سے متعلق ہوں یاسیاست سے، قانون سازی سے متعلق ہوں یا اقتصاد سے ، غرض کہ اسلام کی پوری تاریخ میں مساجد دین کے مراکز اور سیاست کے سینٹرزرہے ہیں ۔اس لیے مساجد کے متعلق ہندوستان کی عدالت عظمی کی یہ رائے کہ" مساجد اسلام کا لازمی جزو نہیں ہیں" درست نہیں۔ سپریم کورٹ آف انڈیاکو چاہیے کہ اپنے وقارپر کم علمی کا داغ نہ لگنے دے اور اسلام سے مساجد کو الگ کرکے نہ دیکھے ورنہ تاریخ کے دامن میں یہ بات محفوظ ہوجائے گی کہ ایک سو تیس کروڑ آبادی والے ملک ہندوستان اور اس کی عدالت عظمی میں اتنے بھی پڑھے لکھے لوگ نہیں جو اسلام کا مسجد سے کیا تعلق ہے جان سکیں اور اس کو سمجھ اور سمجھا سکیں۔

اگر ہو عزم مستحکم بدل جاتی ہیں تقدیریں

بقلم :- مولانا شمس مظاہری

یہ حقیقت کسی سے مستور نہیں کہ انسان کے اندر اگر اخلاص کامل ، جذبہ صادق اور عزم مصمم ہو تو انسان کسی بھی معرکہ کو سر کر سکتا ہے۔۔کوئی بھی تحریک اسوقت تک اپنی موت نہیں مر سکتی جب تک کہ اس تحریک کے بپا کرنے والوں میں خود غرضی ، مطلب پرستی ، نفاق اور حسد جیسی قبیح صفات نہ پیدا ہو جائیں۔۔دنیا میں کتنی ہی تحریکوں کو لوگ بپا ہوتے اور قلیل مدت میں انہیں اپنی موت مرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔۔بہت سی تحریکیں تو جوان ہونے سے قبل ہی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔۔اپنے عروج کا زمانہ بھی نہیں دیکھ پاتیں اور زوال کا شکار ہو جایا کرتی ہیں۔۔

ہمارا ملک ہندوستان بھی ابتداء ہی سے مختلف قسم کی تحریکات کا مسکن رہا ہے۔۔ان تمام تحریکات کی تواریخ اور ان کے پس منظر پر بحث کرنا طوالت کا طالب ہے۔۔لیکن ان تمام تحریکات میں سے آزادئ ہند کی تحریک اور اس کے ذیل میں متعدد تحریکیں(مثلا تحریک ریشمی رومال ، تحریک عدم موالات ، تحریک نمک ستیہ گرہ، تحریک بالاکوٹ ، تحریک خلافت اور ہندوستان چھوڑو تحریک وغیرہ) اپنی ایک خصوصی شناخت اور پہچان رکھتی ہیں۔۔اس ملک کو انگریزوں کے ناپاک چنگل سے آزاد کرانے کی خاطر ، ملک میں بسنے والے مسلمانوں اور ہندؤوں نے یہاں کی دوسری قوموں کے ساتھ مل کر جو بے مثال اور عظیم الشان قربانیاں پیش کی ہیں۔۔اور جس اخلاص و دیانتداری ، وفاداری و جانثاری اور

جرأت و شجاعت کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کیا۔۔تاریخ کے صفحات ان کے حسین و خوبصورت کارناموں سے مزین نظر آتے ہیں۔۔

تاریخ کا مطالعہ کیجئے۔۔ آپ کو تحریک آزادی کے متوالوں کے چہرے پر عزم و استقلال کی روشن کرنیں نظر آئیں گی اور ان کے قلوب جذبہ جہاد سے سرشار نظر آئیں گے۔۔ آپ کو دکھائی پڑے گا کہ آزادی کے ان سرفروش جیالوں نے اپنی ایمانی فراست سے باطل کے ہر حربے کو ناکام بنا دیا۔۔وقت کی تمام طوفانی آندھیوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔۔ملک کے تحفظ و بقا کی خاطر ہر طرح کی جانی و مالی قربانیاں پیش کیں ۔۔بالآخر انگریزوں کو یہ ملک چھوڑ کر بھاگنا ہی پڑا۔۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب اتحاد و اتفاق ، اخلاص و للّٰہیت ، اخوت و یگانگت اور سچی لگن اور دھن کے ساتھ کوئی بھی تحریک بپا کی جائے گی تو تمام تر دشواریوں اور رکاوٹوں کے باوجود ایک نہ ایک دن وہ کامیابی سے ضرور ہمکنار ہو گی۔۔موجودہ وقت میں جب ہم حکومت ہند کی جانب سے لائے گئے خود ساختہ زرعی قوانین کے خلاف کسانوں کی برپا کی گئی تحریک پر نظر ڈالتے ہیں تو اس حقیقت کو اور بھی تقویت ملتی ہوئی نظر آتی ہے۔۔کسانوں کی بہادری و جوانمردی کو ہزار ہزار سلام پیش کرنے کو دل چاہتا ہے۔۔

بالخصوص سکھوں کے آپسی اتحاد و محبت اور ریا و دکھاوے سے پاک جذبہ پر طبیعت عش عش کر اٹھتی ہے۔۔اپنے موقف پر وہ جس طرح چٹان بن کر ڈٹے ہوئے ہیں اور جس صبر و استقامت کے ساتھ اپنے جانی و مالی نقصانات کو برداشت کر رہے ہیں اپنی تحریک کے سلسلے میں ان کے پاکیزہ اور بے لوث جذبہ کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔۔اسے جتنا سراہا جائے کم ہے۔۔بلکہ ضرورت ہے کہ ہم مسلمان ان کی تحریک کو کامیاب کرنے کے لئے

جس طرح کی بھی قربانی پیش کر سکتے ہوں اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔۔اگر کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے ان کسان بھائیوں کے لئے دعائیں تو ضرور کر سکتے ہیں۔۔

دوستو!!! کیا ہمارے مذہب نے آج سے چودہ سو سال قبل ہمیں ایسی ہی اخوت و محبت اور اتفاق و اتحاد کا درس نہیں دیا تھا؟؟؟اخلاص و للّٰہیت اور وفا شعاری کا سبق نہیں پڑھایا تھا؟جب ہم اسلام کے اس سبق پر عمل پیرا تھے اور ہم میں اتفاق و اتحاد کی لازوال دولت موجود تھی ، ہم آہنگی اور یک جہتی کا سرمایہ ہمارے پاس تھا۔۔امت محمدیہ اختلاف و انتشار سے دور ایک لڑی میں پروئی ہوئی تھی تو کیا؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

پوری دنیا ہمارے تابع نہیں تھی؟حکومت و سلطنت ہمارے قدموں میں نہیں تھی؟؟ دریاؤں اور سمندروں پر ہماری حکمرانی نہیں تھی؟؟ صحرا و بیابان ہمارے زیر نگیں نہیں تھے؟؟ ہماری سطوت و جلال کے ڈنکے چہار دانگ عالم میں نہیں بجتے تھے؟؟ ہماری شان و شوکت قابل رشک نہیں تھی؟؟ ہمارا دائرہ کار پوری دنیا پر محیط نہیں تھا؟؟

کیا بات ہے کہ اج جب مسلمان قوم کسی تحریک کو لے کر کھڑی ہوتی ہے تو یا تو وہ تحریک کچل دی جاتی ہے یا پھر بہت جلد ہی اس تحریک کا جنازہ نکل جاتا ہے؟؟کیا یہ بات باعث تشویش نہیں کہ جس قوم نے ہزارہا تحریکات کی قیادت کی ہو۔۔ اس قوم کے ذریعے بپا کی گئی ایک بھی تحریک کامیاب تو درکنار، دو قدم چلنے کے بعد ہی دم توڑ دیتی ہے؟؟کیا کسانوں کے ذریعے بپا کی گئی یہ مضبوط تحریک اور ان کے عزائم ہمیں یہ بتانے کے لئے کافی نہیں کہ ہمیں سکھائے اور پڑھائے گئے اسلامی اسباق اور وراثت میں ملنے والے ہمارے اوصاف حمیدہ کو غیروں نے اختیار کر لیا اور ہم تہی دست اور بے فیض ہو گئے؟؟؟

صاحبو!!!! ایک نگاہ اسلامی معاشرے پر تو ڈالئے۔۔کیا قوم مسلم کسی بھی سطح پر مربوط اور مشترک نظر آتی ہے؟کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں قیادت کا فقدان ہے۔۔جبکہ سچ تو یہ ہے کہ اس قوم سے قیادت کو تسلیم کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی ہے۔۔بلک ہر شخص خود کو قائد اعظم سمجھنے لگا ہے۔۔صالح قیادت اور طالح قیادت کے درمیان کے فرق سے یہ قوم محروم ہو چکی ہے۔۔یہی وجہ ہے کہ قوم کے دلال ، بددین خائن اور رذیل جنہیں اسلامی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔جنکی زندگی میں شریعت اسلامیہ کی کوئی جھلک نہیں ۔۔انہیں یہ قوم قائد اور راہبر تسلیم کرنے لگے ہیں۔۔اور جنہیں اللہ نے قیادت کی صلاحیت عطا فرمائی ہے وہ ان کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔۔اسلامی احکامات کو یہ قوم اپنی خواہشات اور مرضیات کی عینک سے دیکھنے کی عادی ہو چکی ہے ۔۔اگر اسلامی قانون ان کے مفاد سے جا ٹکرائے تو پھر اپنے مفاد کے حصول کے لئے یہ قوم کسی بھی حد تک جانے کو تیار رہتی ہے۔۔

بھلا بتایئے !!!جو قوم اخلاقی زوال اور معاشرتی انحطاط کی انتہا تک جا پہونچے اس سے کیا توقع کی جا سکتی ہے؟؟ ان میں آپسی ربط اور اتحاد کیسے باقی رہ سکتا ہے؟؟ وہ قوم دنیا کی قیادت و امامت کے فرائض کیسے انجام دے سکتی ہے؟؟؟؟؟اور اگر ایسی قوم کسی تحریک کو بپا کرے تو وہ تحریک کیونکر کامیاب ہو سکتی ہے؟؟

یہ اور اس جیسے بہت سے سوالات ہیں جنکے جوابات سنجیدگی سے تلاش کرنا وقت کی اہم ضرورت بھی ہے اور چیلنج بھی۔۔۔۔۔

شمس پرویز مظاہری
مہتمم مدرسہ نظامیہ دار القران دگھی وایا مہگاواں گڈا

کچھ باتیں اپنوں کی

بقلم :- مفتی طہ قاسمی جون پوری

کل لاک ڈاؤن کے بعد ایک میٹنگ میں شرکت ہوئی، جو کسان اندولن کے سپورٹ کے سلسلے میں تھی۔ اس میٹنگ میں کوئی بڑی تعداد تو نہیں تھی، لیکن جو تھی، وہ کچھ خاص تھی۔ اور قوم کی ترقی کی فکر کرنے والے لوگ تھے۔ چناں چہ یہ لوگ موجود تھے۔ ماہر امراض طفل ڈاکٹر معتصم سولکر، ہڈیوں کے سرجن ڈاکٹر علیم صدیقی، ڈاکٹر ایوب پرنس علی خان ہاسپٹل، ڈاکٹر اشفاق ابھارے، ڈاکٹر کاظم ملک خیر امت ٹرسٹ، مبارک بھائی سماجی خدمت گار، متین بھائی لاین ایمبولینس فری سروس والے، سفیان جو دینیات میں میڈیکل نظام کو دیکھتے ہیں۔

چوں کہ میٹنگ میں اپنوں کے تعلق سے بھی بات آئی، اور بڑی بات یہ، کہ علماء کا آج بھی مقام ہے، لیکن اس کو گنوایا ہمیں نے ہے، اس لیے اس کو یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

پہلی تو یہ، کہ آخر ہم کیوں متحد نہیں؟

کب تک ہم الگ الگ رہیں گے؟

جب اس پر بات آئی، تو مسلکی جھگڑوں کو بند کرنے کی بات کی۔ اور ہر مسلک کے علماء سے مل کر اللہ کا واسطہ دے کر، ملی مسئلہ میں ایک ہونے کی پلاننگ کی۔

دوسرے یہ کہ، کیا ممکن ہے، کہ مسلمانوں کی مسجد سے ایک آواز ہو، یعنی امت کے لیے ایک پیغام جاری ہو۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ، ڈاکٹر کاظم ملک کہنے لگے، کہ ہم لوگ دادر میں ایک سکھوں کی قائم کردی جماعت کے پاس گئے، جو 1870 میں قائم ہوئی ہے، اس کے موجودہ ذمہ دار نے کہا، کہ آپ لوگ یعنی مسلم لوگ کی کوئی آواز نہیں۔ ہمارے یہاں اگر مرکز سے ایک آواز دی جاتی ہے، تو وہ پوری دنیا میں جاتی ہے، کیا آپ کی ہر مسجد سے اگر کسی مسئلے پر، ایک ہزار لوگوں کو اکٹھا ہونے کے کے لیے کہا، جائے، تو اکٹھا ہوجائیں گے؟ اس نے کہا، آپ کے لوگ اکٹھا نہیں ہوں گے۔ اس لیے اپ کے ساتھ یہ پریشانی ہے۔

پھر اس پر پلاننگ ہوئی کہ اس کام کو ممبئ سطح پر کیسے کرنا ہے؟

یہ بات بھی آئی کہ، ہمارے اماموں کی تنخواہ اتنی کیوں کم ہے؟

اس پر بھی کام ہونا چاہے؟ اس پر کچھ پلان بنایا جارہا ہے۔

اب آپ ارباب دانش سے یہ درخواست ہے، کہ اس سلسلے میں کچھ مشورے عنایت فرمائیں۔

ملی مسائل میں ایک کیسے ہوسکتے ہیں؟

بڑے پیمانے پر نہ سہی، چھوٹے پر، مسجدوں سے ایک پیغام کیسے جاری ہو؟

طہ جون پوری

20 جنوری 2021

دو شادیاں

بقلم :- مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ایک دوست نے بیان کیا کہ :شہر کے ایک محلہ سے گذر ہوا، دیکھا کہ ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ اکٹھی ہے اور لوگ ایک دوسرے سے کسی اہم معاملے کی پوچھ تاچھ کررہے ہیں، میرا فطری تجسس بیدار ہوگیا، میں بھی قریب پہنچا اور ایک شناسا سے پوچھا،معلوم ہوا کہ اب سے تقریباً دس ماہ قبل ایک نوجوان کا نکاح ایک امیر باپ کی بیٹی سے ہوا تھا، بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی، پوری رات ڈھول تاشے اور ساؤنڈ و باجے سے پورے محلہ میں دن جیسا سماں رہا، پورے محلے والے پوری رات چین کی نیند نہ سوسکے، غرض اسراف اور فضول خرچیوں کی شاہ کار بن کر یہ شادی ہوگئی۔

شادی کے بعد نئی تہذیب کے مطابق ہنی مون منانے کا پروگرام بنا کہ کسی سرسبز و شاداب اور پُر بہار جگہ جانا چاہیے، چناں چہ ایسا ہوا اور تقریباً دو ماہ تک شادی کی تقریبات، تفریحات کا سلسلہ چلتا رہا، بیوی چوں کہ امیر باپ کی بیٹی تھی، سہیلیوں میں اور معاشرہ میں اس کی ناک اونچی ہی رہے اس لیے اس کا مزید مطالبہ ہوا کہ ابھی شادی کو صرف دو ہی مہینے ہوئے ہیں، ذرا تاج محل آگرہ، جو کہ محبت کی نشانی ہے، شادی کے بعد جوڑے کا وہاں جانا ہماری سوسائٹی اور تہذیب کا حصہ ہے، ضرور چلاجائے، شوہر جو اپنے مقدور سے زیادہ اخراجات سے گراں بار ہوچکا تھا، بیوی کی دلجوئی کے لیے مزید قرض لے کر اس کے لیے بھی تیار ہوگیا، خیر وہاں سے واپسی ہوئی، پھر مزید تفریحات اور سیاحتی

مقامات کی سیر کا پروگرام بنتا رہا اور شوہر اپنی جھوٹی شان باقی رکھنے کے لیے بیوی کی دلداری کے لیے مالی اعتبار سے گراں بار ہوتا رہا ہے، ایک ماہ پہلے شوہر نے عاجز آکر مزید تفریحات پر بیوی کو لے جانے سے انکار کردیا، لڑکی ناراض ہوگئی اور میکے چلی گئی، پھر کچھ لوگوں نے صلح صفائی کرادی اور بات اس پر طے ہوئی کہ شوہر اب اپنے گھر کے بجائے سسرال ہی میں رہے گا، بیوی نے اپنی امیرانہ شان دکھاتے ہوئے یہ شرط رکھ دی کہ شوہر اب اپنے گھروالوں، ماں باپ، بھائی بہن اور دیگر اعزہ و احباب سے بھی نہیں ملے گا، یہ زن مرید شوہر اس پر تیار ہوگیا، لیکن اچانک ماں کی بیماری کی وجہ سے وہ اپنی ماں سے ملنے گھر آگیا، اب بیوی نے اس پرواویلا شروع کردیا اور طلاق کا مطالبہ کرنے لگی، عاجز اور پریشان شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی اور دس ماہ کے اندر نکاح، شادی اور طلاق سب کچھ ہوگیا۔ بیان کرنے والے یہ پوری داستان بیان کررہے تھے اور میرے ذہن میں اسی شہر سہارنپور کی صدیوں پرانی نہیں، بلکہ صرف اناسی(79) سال پہلے کی ایک شادی کا منظر ابھر رہا تھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کے سادہ لیکن پرکشش انداز بیان میں ملاحظہ فرمائیں:

حسب معمول مدرسہ مظاہرعلوم کے سالانہ جلسہ کے لیے مورخہ 2/محرم1352ھ مغرب کے قریب چچا جان نور اللہ مرقدہ(حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمارے یہاں میوات کے جلسوں میں نکاحوں کا دستور پڑگیاہے ، کل کے جلسہ میں حضرت مدنی سے یوسف و انعام کا نکاح پڑھوادوں ؟ میں نے کہا شوق سے ، مجھ سے کیا پوچھنا ،عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کان میں ڈال دیا کہ چچا جان کا ارادہ یہ ہے کہ دونوں بچیوں کانکاح پڑھوادیں ، میری اہلیہ نے

دبے لفظوں میں کہا کہ تم دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک ایک جوڑا تو ان کے لیے سلوادیتی۔ میں نے کہا اچھا مجھے خبر نہیں تھی کہ یہ ننگی پھر رہی ہیں، میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کپڑے پہنے پھرتی ہیں، میرے اس جواب پر مرحومہ بالکل ساکت ہوگئیں۔ جامع مسجد آتے ہوئے حضرت مدنی سے میں نے عرض کردیا کہ یوسف ، انعام کا نکاح پڑھنے کے لیے چچاجان فرمارہے ہیں، حضرت مدنی نے بہت اظہار مسرت فرمایا اور کہا ضرور پڑھوں گا، ضرور پڑھوں گا۔ جامع مسجد پہنچنے کے بعد حضرت مدنی نے فرمایا کہ مہر کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا ہمارے یہاں مہر مثل ڈھائی ہزار ہے، حضرت مدنی نے فرمایا میں مہر فاطمی سے زیادہ پر ہرگز نکاح نہیں پڑھوں گا ،تھوڑی دیر تک میرا اور حضرت کا جامع مسجد کے در میں بیٹھے بیٹھے اس مسئلہ پر مناظرہ ہوا، بالآخر حضرت مدنی قدس سرہ ممبر پر تشریف لے گئے اور سادہ نکاحوں کی فضیلت ، برکت پر لمبا چوڑا وعظ شروع کیا، حضرت مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی ثم الدہلوی، جو اس جلسہ میں شریک تھے، انہیں ساڑھے دس بجے کی گاڑی سے جانا ضروری تھا، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ آپ حضرت مدنی سے فرمادیں کہ نکاح جلد پڑھ دیں، تاکہ ہم لوگ بھی نکاح میں شرکت کرکے جاویں، میں نے حضرت کی خدمت میں اطلاع پہنچادی ،حضرت مدنی کو یہ خیال ہوگیا کہ بعض لیگی حضرات میری تقریر سننا پسند نہیں کرتے، اس لیے اولاً تو خوب ناراض ہوئے، لیکن معاً دونوں لڑکوں یوسف و انعام کو ممبر کے پاس کھڑا کرکے خطبہ پڑھ کر نکاح پڑھ دیا اور پھر اپنے وعظ میں مشغول ہوگئے، چوں کہ عزیزان مولویان یوسف وانعام یہیں سہارنپور میں پڑھتے تھے، اس وجہ سے لڑکیوں کے نظام الدین دہلی جانے کا سوال ہی نہ تھا، میرے گھر ہی میں شب جمعہ کو دونوں کی چارپائیاں علیحدہ علیحدہ بچھوادی جاتیں، جب سال

کے ختم پر وہ حضرات نظام الدین گئے تو اپنی اپنی بیویوں کو بھی چچا جان کی معیت میں ساتھ لے گئے۔"

شہر ایک ہی ہے ،لیکن انداز کس قدر بدل گیا ہے ،ایک طرف ایسی سادگی کہ شریک حیات فرماتی ہیں کہ کم از کم دوتین دن پہلے ہی بتادیتے اور ایک طرف اتنا ہنگامہ کہ پورا محلہ رات بھر چین کی نیند نہیں سوسکا،دونوں کے اپنے اپنے طبعی اور فطری اثرات ہیں جو مرتب ہوکر رہے،ایک شادی دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے ہم کنار کررہی ہے تو دوسری شادی لڑائی، جھگڑے اور آپسی نفرت وعداوت پیدا کر کے دنیوی زندگی کو اجیرن بنارہی ہے۔

اسلام نے شادی اور نکاح کو کس قدر آسان اور سہل بنایا تھا ،مگر آج ہم مسلمانوں نے اس میں طرح طرح کی خرافات داخل کرکے کس قدر مشکل بنادیا ہے، آج مسلم معاشرہ کی اکثر شادیوں کا نقشہ وہی ہوتا ہے جو پہلے بیان ہوا کہ شادی و نکاح کی خوشی کی خاطر حقوق اللہ کی پامالی کی جاتی ہے، اسراف اور فضول خرچی جو حرام ہے ، محض جھوٹی شان دکھلانے کے لیے کس قدر بے خوفی کے ساتھ اس کا ارتکاب کیا جارہا ہے، نوجوان، غل غپاڑے میں مشغول ہیں، پٹاخے چھوڑرہے ہیں، راستہ چلنے والوں کو اذیت الگ ہورہی ہے

مذہب اسلام کی تمام تعلیمات و احکامات میں یہ بات بڑی اہم ہوتی ہے کہ اس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو اور اس میں غیر اسلامی کسی فعل کی کسی طرح کی آمیزش نہ ہو، اسی کے ساتھ اسراف اور فضول خرچی جیسی شیطانی حرکتیں ،بھلا کیا یہ اسلامی نکاح ہے؟ کیا اسلامی شادیاں اسی انداز کی ہوتی ہیں؟ حدیث شریف میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "اعظم النکاح برکۃ ایسرہا مؤنۃ" کہ جس نکاح میں جتنی سادگی ہوگی اسی قدر اس نکاح میں خیر و برکت ہوگی، اور اس کے بہتر نتائج سامنے آئیں گے۔ شادی کے بعد کے تنازعات اور جھگڑے آئے دن طلاق و فسخ نکاح کی وارداتیں اسی طرح کی غیر اسلامی انداز کی شادیوں کا

نتیجہ ہیں، اس نکاح کے برے اثرات پھر بہت دیرپا اور نسلوں تک منتقل ہوتے ہیں، اولادیں نافرمان پیدا ہوتی ہیں، اسلام اور اسلامی شعار کا انھیں پاس و لحاظ نہیں ہوتا، معاشرہ میں طرح طرح کی برائیاں جنم لیتی ہیں اور پھر سماج کا امن و سکون غارت ہوجاتا ہے۔

اسلام کی تمام تعلیمات اور احکامات ،سادگی اور فطری اصولوں سے ہم آہنگی پر مشتمل ہیں ،شور ہنگامہ ،نام ونمود اور دکھاوا شریعت میں اس کی گنجائش کا کوئی مطلب ہی نہیں، جب کہ یہ چیزیں انسانیت کے لیے بھی ناسور اور زہر قاتل ہیں ،اس لیے کہ معاشرہ میں رہنے والے بہت سارے افراد کی ان امور سے دل شکنی اور دل آزاری ہوتی ہے ،ایک امیر باپ کو اپنی امیرانہ شان دکھانے کے لیے شریعت اور انسانیت کے تمام اصولوں کو توڑتے ہوئے ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ اسی کے محلہ اور پڑوس میں کچھ مفلوک ،غریب اور نادار افراد بھی رہتے ہیں، جن کی بھی اپنی آرزوئیں اور تمنائیں ہیں ، آج دولت کی ریل پیل اور نمائش ان کے دلوں پر کس قدر کچوکے لگا رہی ہوگی؟ کیا اس کا ذرا بھی احساس نہیں کہ محض انسانیت کے ناطے ایک غریب اور مفلس کی دلداری میں شادی کی تقریب بغیر کسی دھوم دھام اور مالی نمائش کے انجام دے لے؟ اللہ ورسول کی خوشی بھی حاصل ہوگی اور نہ جانے کتنے انسانوں کی دعائیں زندگی کے مختلف مراحل میں دستگیر ہوں گی۔

معاشرتی اصلاح اور ماحول کو امن و سکون کا گہوارہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ سماج اور معاشرہ کے بااثر حضرات اٹھ کھڑے ہوں اور عزم وہمت اور دینی صلابت کے ساتھ معاشرہ کے ان ناسوروں پر نشتر زنی کریں، دینی فضا بنائیں، اسلامی تعلیمات کو رواج دیں، خود بھی ان پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو دعوت عمل دیں، انشاء اللہ فاسد مادہ دور ہوگا اور پھر ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا اور ہر طرف امن و سکون کا بول بالا ہوگا۔

دینی اور دنیوی علوم میں تفریق کرنے والا کون؟ علماء یا دانشوران؟

بقلم :- مولانا عبیداللہ قاسمی دہلی

آج کل جدید تعلیم یافتگان اور دانشوران کی طرف سے بہت شور مچایا جاتا ہے اور علماء پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ دینی علوم اور دنیوی علوم میں تفریق کرتے ہیں جبکہ پہلے زمانوں کے علماء ایسی تفریق نہیں کرتے تھے اور وہ دینی ودنیوی دونوں طرح کے علوم کے جامع ہوتے تھے. وہ کہتے ہیں کہ اُس وقت کے مدارس کے فیض یافتگان ایک طرف عالمِ دین ہوتے تھے تو دوسری طرف وہ سائنسداں اور موڈرن ایجوکیشن کے ماہرین بھی بن کر نکلتے تھے.

حقیقت یہ ہے کہ علماء کے خلاف یہ الزام بے بنیاد اور کج فہمی بلکہ بدفہمی پر مبنی ہے. اُس زمانے کے اداروں کو مدارس کہنے کی بجائے تعلیم گاہیں کہنا چاہیئے. اُن تعلیم گاہوں میں جو مسلم سائنسداں اور موڈرن ایجوکیشن کے مسلم ماہرین ہوتے تھے وہ دینی علوم میں بھی اچھی معلومات رکھتے تھے، مسلم شناخت رکھتے تھے، داڑھی رکھتے تھے، اسلامی لباس پہنتے تھے. سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانے کی تعلیم گاہوں میں بھی اسی طرح مسلم سائنسداں، ڈاکٹرز، انجنئرز اور موڈرن ایجوکیشن کے ماہرین دینی علوم کی واقفیت کیوں نہیں رکھتے ہیں، اسلامی شناخت سے خود کو کیوں محروم رکھتے ہیں، حضور کی سنت داڑھی سے کیوں دور بھاگتے ہیں، اسلامی لباس اختیار کیوں نہیں کرتے ہیں؟ اگر یہ ذمہ داری ان کی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے؟

اگر وہ علماء کا عملاً صرف قرآن وحدیث کے علوم میں شغف رکھنے کو تفریق کا نام دیتے ہیں تو پھر کیا انہیں بھی یہ نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ دینی اور دنیوی تعلیم میں تفریق نہ کریں اور دونوں علوم کو بلا تفریق حاصل کریں اور دونوں میں مہارت پیدا کریں جیسا کہ مسلمان پہلے زمانوں میں کرتے تھے؟ اور کیا وہ عملاً ایسا نہ کرکے دین اور دنیا، دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم میں تفریق نہیں کررہے ہیں؟ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ عمل تفریق نہیں ہے تو پھر علماء کا یہ عمل تفریق کیونکر بن گیا؟ تفریق تو اس وقت کہنا درست ہوتا جب دو فیصد کا انتہائی مختصر طبقہِ علماء موڈرن ایجوکیشن کو اور موڈرن سائنس کو حاصل کرنے سے روکتا جبکہ علماء ان علوم سے روکتے ہرگز نہیں ہیں بلکہ ان کی تحصیل کی ترغیب دیتے ہیں. اگر روکتے ہیں تو صرف اللہ کے حکموں کو توڑنے سے روکتے ہیں.

لہذا جدید علوم کے گریجویٹ اور دانشوران کو ایسے الزام سے باز رہنا چاہیئے، مغالطے اور غلط فہمی سے دور رہنا چاہیئے. جس طرح علماء ایک میدان یعنی قرآن و حدیث کے علوم میں مہارت حاصل کررہے ہیں اسی طرح وہ بھی جدید علوم میں مہارت پیدا کریں. تقسیمِ کار سے کام آسان اور بہتر ہوتا ہے. تقسیمِ کار کو تفریق کہکر غلط فہمی نہ پھیلائیں. پرانے زمانوں میں دینی ودنیوی علوم میں اتنی وسعت پیدا نہیں ہوئی تھی جتنی اب ہوچکی ہے لہذا پہلے کی طرح موجودہ زمانے میں ایک ہی شخص دونوں طرح کے علوم کا ماہر نہیں بن سکتا ہے (اگر کوئی کہے کہ اب بھی بن سکتا ہے تو ذرا ایک سائنٹسٹ یا انجنئر کو فقیہ یا محدث بناکر دِکھادے) بلکہ پہلے جب اتنی وسعت اور پھیلاؤ نہیں تھا تب بھی خال خال لوگ ہی دونوں میدانوں کے ماہر ہوتے تھے۔

محمد عبید اللہ قاسمی، دہلی

مورخہ 21 جنوری 2021

تشکیل جدید، فکر اسلامی کی یا مسلم دینیاتی فکر کی؟

بقلم :- مولانا عبد الحمید نعمانی صاحب

عالم اور دنیا تغیر پذیر ہے ،نئے حالات میں وقت کے درپیش نئے مسائل کا حل کیسے ہو گا؟۔ صریح الفاظ میں ظاہر ہے کہ کسی مسئلے کے، پیدا ہونے سے پہلے اس کا حل نہیں مل سکتا ہے، حل کی شکل یاتو کلیات و متون کی روشنی میں مجتھد کا انفرادی اجتہاد ہے یا اہل علم کا اجتماعی اجتہاد ہے یااہل علم و دانش کی طرف سے قدیم مسائل کی جدید تعبیر و تشریح ہے ، مسلم دینیاتی فکر کی تاریخ میں ہمیں دونوں قسم کے نمونے ملتے ہیں یہ کوئی ایسی نئی روایت نہیں ہے کہ اس سے گھبرانے اور لعنت و تنقید بے جا کی ضرورت ہو، سماج کے فرد / حلقہ کی بنیادی ذمے داری ہے کہ وہ پیدا شدہ شبہات و سوالات کا ازالہ و جواب دہی کرتے ہوئے مسائل کا نسبتاً بہتر حل پیش کرے ، تاکہ خلق خدا اپنے فکرو عمل کے صراط مستقیم پر چل کر مطلوبہ کامیابی حاصل کر سکے ، اس تناظر میں اسلامی فکر اور مسلم دینیاتی روایت کی تاریخ اور اصول و کلیات ، بہت باثروت و معقول و منضبط رہے ہیں ، کتاب و سنت ، اجماع امت اور قیاس مجتھدین کے متعلق روشن نقوش و راہ پر مبنی قابل قدر عملی و فکری ذخیرہ ملت اسلامیہ کے پاس ہے ، دین و عقل ،جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ اور مقاصد شرعیہ کے اصول کے لیے جدو جہد اور تعبیر نو وقت کے تقاضوں کی تکمیل کے زمرے میں آتی ہے ، مجتھدین و مجددین کے طبقات کا تسلسل تکمیل و تجدید دین ،فکر اسلامی اور مسلم دینیاتی روایت و تاریخ کا حصہ اور خیر امت ، ملت

اسلامیہ کی خصوصیات میں سے ہے ، چاہے انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی جہت سے ، اس سلسلے میں ایک تعداد غیر ضروری تحفظات و تشویشات میں مبتلا رہی ہے ، تبدیل دین اور تجدید دین ، عمل تجد د اور کار تجدید میں بہت بنیادی واضح فرق ہے ، ایک مبغوض و منفی عمل ہے ،تو دوسرا مطلوب و مثبت عمل ہے ۔ غیر ذمے دار و نااہل افراد تبدیل و تجدد کا منفی مبغوض عمل فکر اسلامی کی تشکیل نو کے نام پر انجام دیتے ہیں ، جب کہ ذمے دار اہل افراد ، وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تکمیل تجدید دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں ، یہ فکر و نظریہ کے تحفظ کے ساتھ کار تجدید بھی ہے ۔ اس سے احیائے دین کے ساتھ ، تکمیل دین اور اس سے اطمینان بخش وابستگی کا تسلسل بھی باقی رہنے کا سامان بہم پہنچتارہتا ہے ، اس سے وابستگی رکھنے والوں کے اعتماد کو مجروح کر کے کسی بھی فکر کی تشکیل نو کا کوئی معنی و مطلب نہیں ہے ۔ دین کی حفاظت ، اجتہاد وکار تجدید میں ہے، دونوں میں تناؤ کی حالت پیدا کرنا اور تبائن و تصادم سمجھنا ، بے دانشی و بے حسی کی علامت ہے ۔ جو زمان و مکان کے تقاضوں اور انسانی سماج کی ضرورتوں سے بے حس و بے خبر ہو،وہ کار تجدید و اجتہاد انجام نہیں دے سکتا ہے ۔ اس سلسلے میں اصول و قواعد فقہ میں تفصیلی مباحث ہیں ، خلوص و اہلیت کے ساتھ اجتہاد اتنا بڑا عمل ہے کہ صواب وخطاء دونوں صورت میں اجر ملتا ہے ۔ جب کہ کار تجدید ، کسی چیز پر پڑے حجابات کو اٹھا دینے اور اسے اپنی اصل حالت پر لوٹانے سے عبارت ہے ۔ ایک کا رخ اور نظر مستقبل اور حال پر ہوتی ہے، دوسرے کا رخ ، ماضی کی بہتر اصل حالت اور عہد خیر کی طرف ہوتا ہے ،کار تجدید سے مٹے آثار کا اظہار اور غربت واجنبیت کا خاتمہ ہوتا ہے ۔ جب کہ اجتہاد ، مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے حال میں در پیش مسائل و مشکلات کو حل اور دور کر

نے کا عمل ہے۔ یہ دونوں شرعاً و ضرورتاً محبوب و مطلوب عمل ہے۔ اسے رسول پاک ﷺ کے اس رہ نما فرمان سے سمجھا جاسکتا ہے کہ "خدائے قدیر ہر صدی کے آخر میں اس امت کے لیے ایک ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جو امت کے لیے دین کی تجدید کرتا ہے۔(ان اللہ یبعث لھذہ الامتہ علی راس کل مائتہ سنتہ من یجدد لھا دینھا(ابو داؤد کتاب الملاحم)اس تعلق سے اگر سنجیدگی سے دیکھا جائے تو الہیات اسلامیہ اور دین میں تصادم و تضاد کی نسبت و تعلق نہیں ہے بلکہ یکسانیت و موافقت کی نسبت و تعلق ہے لیکن اس کی تشکیل جدید کے مفہوم و عمل کی تعین و تفصیل میں کئی طرح کے اختلافات اور غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں ،جن کے سبب کار اجتہاد متعین سمت میں اتحاد و یکسوئی کے ساتھ جاری نہیں رہ سکا اور اس کی راہ میں کئی طرح کی رکاوٹیں بھی کھڑی ہوتی رہی ہیں ، یورپ و مغرب کے صنعتی و سیاسی اور اقتصادی و تہذیبی انقلابات اور وہاں مذہب کی پسپائی اور بھارت میں تحریک خلافت و ہجرت سے برآمد نتائج و اثرات نے کئی طرح کے سوالات و مسائل پیدا کیے اس کے پس منظر میں کئی طرح کی موافقت ومزاحمت کی شکل میں مختلف سطحوں پر کاوشیں و کوششیں بھی سامنے آئیں،23سے 30ءکے عرصے میں ڈاکٹر اقبال کی طرف سے دیے اور لکھے خطبات ،الہیات اسلامیہ کی تشکیل جدیدThe Reconstruction of religious thought in Islam بھی مذکورہ کوششوں و کاوشوں کا حصہ ہیں ،

اگر تشکیل جدید ،(Reconstruction)کو اجتہاد و تجدید کے معنی میں لیا جائے تو کوئی زیادہ تشویش اوردقت کی بات نہیں ہے لیکن اگر تجدد و تبدیلی کے معنی میں لیا جائے جیسا کہ تجدد پسندوں نے لے کر اپنی تحریک چلائی تو معنی و مقصدپوری طرح بدل جاتا ہے

تجدد کے تناظر میں دین یا اسلام کے غائب ہوجانے کے بعد نئے اسلام کے آجانے یا عمارت اسلام کے انہدام کے بعد اس کی ازسر نو تعمیر کی بات اہل دین و دانش کے لیے ایک وحشت انگیز معنی ہے اس کے پیش نظر وہ دین کی اصلاح کے متعلق ان کے لیے سوچنا بھی بے فائدہ عمل ہے، جب کہ مسلم سماج میں رائج کچھ افکار دین کی اصلاح کے پس منظر میں، حالات و زمانے کی ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل و حل مسائل کے لیے عمل اجتہاد و تجدید بالکل ایک ضروری عمل ہے۔ جدید عصری و دینی و مذہبی علوم و فنون کے حاملین میں مطلوبہ رابطہ نہ ہونے کے سبب بہتر افہام و تفہیم کی راہ ہموار نہیں ہوسکی اور کئی طرح کی غلط فہمیاں ایک دوسرے کے حلقے میں در آئیں، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مودودی، مولانا علی میاں ندوی، مریم جمیلہ جیسے بہت سے حضرات کو اقبال کے اشعار و کلام میں توبڑی رہ نمائی و روشنی نظر آتی ہے، لیکن خطبات، الہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید میں کئی طرح کے انحرافات و خطرات نظر آتے ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی ؒکو الہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید کی اصطلاع پر بھی اعتراض ہے،(رسالہ ' سہ ماہی اجتہاد' ،بابت جون 2007 صفحہ 54)"مولانا علی میاں ندوی ؒ نے بھی نقوش اقبال میں اقبال کے خطبات پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے، مولانا مودودی اور مریم جمیلہ نے خطبات میں پیش کردہ افکار و نظریات کو تضادات و فروگزارشتوں میں شمار کیا ہے، مولانا مودودی نے اپنی کتاب تجدید و احیائے دین میں کار تجدید کی نوعیت پر جس طور سے بحث کی ہے وہ اقبال سے بہت حد تک مختلف و مخالف ہے،

مریم جمیلہ نے (اسلام، ایک نظریہ، ایک تحریک صفحہ 214 تا 217) اقبال کے اس تبصرے اور رائے کو ایک بڑی غلطی قرار دیا ہے کہ انسانی فکر اور تجربے کی دنیا میں بے

بایاں ترقی ہوئی ہے ، لہذا اگر ایشیا اور افریقہ کے مسلمانوں کی نئی پود کا مطالبہ ہے کہ ہم اپنے دین کی تعلیمات کا رخ پھر سے متعین کریں تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ،(خطبات اقبال ، الہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید صفحہ 207) اس صورت حال نے مسائل کی تعبیر نو اور الہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید کی کوششوں کو مشکوک و معطل بنا کر رکھ دیا ہے لیکن اقبال کے یہاں بھی در پیش مسائل و سوالات کے حل و جواب کی راہ موجود ہے ، جب وہ کہتے ہیں کہ مجھے اجتہاد کے دروازے کو اب مزید مدت تک بند رکھنے کا کوئی حقیقی سبب نظر نہیں آتا ہے ، قرآن کریم کی یہ تعلیم کہ زندگی ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے بجائے خود اس امر کی مقتضی ہے کہ مسلمانوں کی ہر نسل اپنے اسلاف کی رہ نمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مسائل آپ حل کرے، (خطبات اقبال صفحہ 260) اس تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فکری اسلامی کی تشکیل جدید نہ سہی، بہت سے رائج مسلم دینیاتی افکار کی تشکیل جدید، یقینا قابل توجہ معاملہ ہے ۔

ہمارے مسائل اور ان کا حل

بقلم :- مفتی شاکر نثار المدنی قاسمی

مسئلہ نمبر ۳۱

نماز میں لبثت فیکم عمرا من قبلہ کے بجائے غمرا من قبلہ پڑھنے کا حکم

سوال : اگر تراویح میں فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ کے بجائے غمرا من قبلہ پڑھ دے تو کیا نماز صحیح ہوجائے گی یا فاسد؟ نوٹ: اس آیت سے پہلے تین آیتیں پڑھی جاچکی ہے.

المستفتی : محمد سلمان بلکھراں آنوک ممبر پاسبان علم وادب

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : معنی میں فحش غلطی نہ ہونے کی وجہ سے نماز ہوگئی لیکن اس آیت کا اعادہ کر لینا چاہیے تا کہ مکمل قرآن پاک پڑھنے کی سنت بھی ادا ہو جائے

نوٹ : قرأت میں فحش غلطی کی وجہ سے جو نماز فاسد ہوتی ہے، اس میں تین آیتیں پڑھنے یا نہ پڑھنے سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، یعنی اگر صحیح طور پر تین آیتیں پڑھنے کے بعد فحش غلطی ہوجائے، تب بھی نماز فاسد ہوجائے گی. لو زاد كلمة أو نقص حرفا أو قدمه أو بدله بآخر ... لم تفسد ما لم يتغير المعنى۔ (شامي ۱/ ۶۳۲ کراچی).

ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته۔ (الفتاویٰ الهندية ١/ ٨٠، حلبي كبير ٤٨٨ لاہور). هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفرله

أستاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية

بيت العلوم سرائمير أعظم جره الهند۔۔۔۔۔۔۔۔

9 9 1439ھ 25 5 2018م الجمعة۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مسئلہ نمبر ۳۲

زیورات کی کس قیمت سے زکوۃ کی ادائیگی ہوگی

سوال : حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم زکوۃ کا مسئلہ الجھا ھے کہ سونے کی زکوۃ مارکٹ کے قیمت کے اعتبار سے دی جاے گی یا اس اعتبار سے کہ اگر ھم سونار کو بیچتے ھیں تو تقریبا ۲۰ فیصدی قیمت کم ھوجاتی ھے. حضرت رہنمائی فرمائیں کس قیمت کا اعتبار ھوگا؟

المستفتی : محمد معاذ مینھ نگر

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : سونے، چاندی کے زیورات کی زکاۃ بازار کی موجودہ قیمت سے نکالی جائے گی؛ لہٰذا آپ کا زیور بازار میں جتنی قیمت کا فروخت ہوگا

اس پر زکوۃ کا حساب لگایا جائے گا۔ له مائتا قفيز حنطة للتجارة تساوي مائتي درهم، ولامال له غيرها، فإن أدى من عينها يؤدي خمسة أقفزة بلا خلاف، وإن أدى قيمتها فعنده تعتبر القيمة يوم الوجوب في الزيادة والنقصان، وعندهما في الفصلين يعتبر يوم الأداء ... وفي المحيط: يعتبر في قيمة السوائم يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح۔ (البحر الرائق ٢٢١/٢ كوئٹہ).

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء. (درمختار، الزكاة/ باب زكاة الغنم ٢٧٦/٢ كراچی، ٢١١/٣ زكريا، وكذا فتح القدير، الزكاة / في العروض ٢١٩/٢ مصری). ويعتبر فيهما أن يكون المؤدي قدر الواجب وزنًا...، ولو أدى من خلاف جنسه يعتبر القيمة بالإجماع، كذا في التبيين۔ (الفتاویٰ الهندية ١٧٨/١). هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفرله .
أستاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية
بيت العلوم سرائمير أعظم جره الهند--------
9 - 9 - 1439ه 25 - 5 - 2018 م الجمعة---

مسئلہ نمبر ٣٣

پولٹری فارم کی زکوۃ۔

سوال : ایک صاحب کے پاس شوال میں پانچ لاکھ روپئے تھے انہوں نے پولٹری فارمنگ میں سارے پیسے لگادیئے جب حولان حول ہوا تو کیش کی شکل میں ان کے پاس کچھ نہیں تھا جو کچھ تھا مرغیوں کی شکل میں تھا اس صورت میں کیا اس پر زکوۃ واجب ہوگی؟

المستفتی : منصور احمد قاسمی پوٹریاں جون پور

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب : صورت مسئولہ میں اگر مرغیوں ہی کو بیچنا مقصود ہے تو سال گزرنے کے بعد ان کی قیمت پر زکوۃ واجب ہوگی. اور اگر مرغیوں کو بیچنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ ان سے انڈے اور چوزے حاصل کرکے بیچنا مقصود ہے، تو ان مرغیوں پر زکاۃ نہیں ہے، لیکن انڈے اور چوزے جتنے میں فروخت ہونگے ان سے حاصل شدہ آمدنی پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی. (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳۰۰/۴، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۴۲۸/۹، میرٹھ ۱۴۳/۱۴، کتاب الفتاویٰ ۳۴۶/۳) عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داؤد ، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة ، النسخة الهندية ١/٢١٨، دار السلام رقم: ١٥٦٢). عن ابن عمر رضي الله عنه قال ليس في العروض زكاة ، إلا ما كان للتجارة - (السنن الكبرىٰ للبيهقي ، الزكاة، باب زكاة التجارة ، دار الفكر ٦/٦٤، رقم: ٧٦٩٨). والأصل أن ما عدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة. تحته في الشامية ، الحجرين

وما عدا ما ذکر کالجواہر والعقارات والمواشي العلوفة والعبيد والثياب والأمتعة ونحو ذلک۔ (شامی، کتاب الزکاۃ ، قبیل باب السوائم زکریا۳/۱۹۴، کراچی۲/۲۷۳). فإن کانت للتجارة فحکمها حکم العروض يعتبر أن تبلغ قيمتها نصاباً۔ (ہندیه، کتاب الزکاۃ ، الباب الثاني ، الفصل الخامس فیما لاتجب فيه الزكاة، زکریا۱/۱۷۸، ہندیہ اتحاد جدید۱/۲۴۰). الزكاة واجبة في عروض التجارة کائنة ما کانت أي سواء کانت من جنس ماتجب فيه الزكاة أو من غيره کالثياب والحمير۔ (الجوہرة النيرة ، کتاب الزکاۃ، باب زكاة العروض ، دارالکتاب دیوبند۱/۱۵۰، مکتبہ تھانوی ۱/۱۸۰، تاتار خانية، کتاب الزكاة ، الفصل الثالث زکاۃ عرض التجارة ، زکریا ۳/۱۶۴، برقم: ۲۹۹۹).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حرره العبد محمد شاکر نثار المدني القاسمي غفرله .
أستاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية
بيت العلوم سرائمير أعظم جره الهند ـــــــ
10 - 9 - 1439ھ 26 - 5 - 2018 م السبت

مسئلہ نمبر ۳۴

اقامت بیٹھ کر کہنا

سوال کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اقامت کی تکبیر بیٹھ کر کہی جا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمود الحسن مہراج گنج

الجواب باسم الملهم للصدق والصواب: معذور شخص کا بیٹھ کر اذان واقامت پڑھنا مکروہ ہے؛ اور معذور نہ ہو تو کراہت مزید بڑھ جاے گی. عن الحسن بن محمد قال: دخلت على أبي زيد الأنصاري، فأذن وأقام وهو جالس إلى عن عطاء بن أبي رباح أنه قال: يكره أن يؤذن قاعدا إلا من عذر۔ (السنن الكبرى للبيهقي دار الفكر ۲/ ۱۴۱، رقم: ۱۸۸۳، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ۲/ ۳۴۱، رقم: قديم ۲۲۱۸، جديد ۲۲۳۲) عن الثوري، عن أبي إسحاق قال: يكره للمؤذن أن يؤذن وهو قاعد۔ (مصنف عبدالرزاق، باب الأذان قاعدا وهل يؤذن الصبي؟ المجلس العلمي ۱/ ۴۶۹، رقم: ۱۸۱۳) ويكره أذان جنب وإقامة محدث لا أذانه، وأذان امرأة وفاسق وقاعد، إلا إذا أذن لنفسه۔ (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ۶۰، كراچي ۱/ ۳۹۲). (دارالعلوم قديم ۲/ ۱۰۴).

هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

حررہ العبد محمد شاکر نثار المدني القاسمي غفرلہ
استاذ الحدیث والفقہ بالمدرسۃ الإسلامیۃ العربیۃ
بیت العلوم سرائمیر اعظم جرہ الھند ـــــــــ
10 - 9 - 1439ھ 26-5-2018م السبت

مسئلہ نمبر ۳۵

ایک قعدہ سے چار رکعت تراویح

سوال : مفتیان کرام وعلماء عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کیا فرماتے ہیں اگر تراویح کی نماز دو کے بجائے چار پڑھادی اور قاعدہ اولی بھی نہیں کیا، ہاں اخیر میں سجدہ سہو کرلیا تو کیا تراویح کی نماز ہوگئ یا سنت موکدہ یعنی تراویح کے بجائے نفل ہوگئی حوالہ کے ساتھ بتائیں بڑی مہربانی ہوگی؟

المستفتی : وقار احمد ممبر ریاض ادب واٹشاپ گروپ

الجواب باسم الملھم للصدق والصواب : مذکورہ صورت میں صرف آخر کی دو رکعتیں معتبر ہوں.. گی، اور شروع کی دو رکعتیں باطل قرار پائیں گی، پہلی دو رکعتوں میں جو قرآن پڑھا گیا ہے اس کا اعادہ کرنا ہوگا۔ (حاشیہ امداد الفتاویٰ ۱/۴۹۷، کفایت المفتی ۳/۳۴۹، ایضاح المسائل ۲۹). إذا صلی الإمام أربع رکعات بتسلیمۃ واحدۃ، ولم یقعد في الثانیۃ في القیاس تفسد صلاتہ، وہو قول محمد وزفر رحمہما اللّٰہ تعالیٰ، ویلزمہ قضاء ہٰذہ التسلیمۃ، وہو روایۃ عن أبي حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ

وفي الاستحسان: وهو أظهر الروايتين عن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ لا تفسد وإذا لم تفسد، اختلفوا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ أنها تنوب عن تسليمة أو تسليمتين؟ قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: تنوب عن تسليمتين؛ لأن الأربع لما جاز، وجب أن ينوب عن تسليمتين- وقال الفقيه أبو جعفر والشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمهما الله تعالىٰ: في التراويح تنوب الأربع عن تسليمة واحدة، وهو الصحيح؛ لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع، فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً كما هو وجه القياس، وإنما جاز استحساناً فأخذنا بالقياس، وقلنا بفساد الشفع الأول، وأخذنا بالاستحسان في حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت التحريمة صح شروعه في الشفع الثاني، وقد أتمها، فجاز عن تسليمة واحدة- (فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الصوم / فصل في السهو ۱/ ۲۳۹-۲۴۰ رشيدية، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة / الفصل الثالث عشر في التراويح والوتر ۲/ ۱۳ کوئٹہ) وكان الشيخ أبو جعفر يقول: يجزيه عن تسليمة واحدة، وفى الخانية: هو الصحيح، به كان يفتي الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل قال القاضي الإمام أبو على النسفي: قول الفقيه أبي جعفر،

والشيخ الإمام أقرب إلى الاحتياط وكان الأخذ به أولى، وعليه الفتوىٰ۔
(الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ٣٣٠ رقم: ٢٥٧١، البحر الرائق ٢/ ٦٧ کوئٹہ) واذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأ فيه ويعيد القرائة ليحصل له الختم فى الصلاة الجائزة (الفتاوىٰ الهندية ج١ ص ١١٨ فصل فى التراويح).
هذا ما ظهر لي والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

حرره العبد محمد شاكر نثار المدني القاسمي غفرله
استاذ الحديث والفقه بالمدرسة الإسلامية العربية
بيت العلوم سرائمير أعظم جره الهند --------
12 - 9 - 1439ھ 28 - 5 - 2018 م الاثنين ---------

شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے دفاع میں جوابی کلام
اقبال سہیل خاں بنام ڈاکٹر اقبال

ترجمہ بقلم :- مولانا فضیل احمد ناصری

معاندے کہ بہ شیخ الحدیث خردہ گرفت : سبک ز چشمِ خرد، زیں سبابِ بے سببی ست

جس مخالف نے شیخ الحدیث مولانا مدنیؒ پر اعتراض کیا ہے، وہ عقل کی نظر میں ہلکا ہے اور بلا وجہ کی دشنام طرازی کر رہا ہے۔

بیانِ او ہمہ تخییل و بحث در تفسیر : زبانِ او عجمی و کلام در عربی ست

اس کا بیان سراسر تخیل ہے اور تفسیر میں بحث کرنے چلا ہے، اس کی زبان تو عجمی ہے اور عربی میں بحث کر رہا ہے۔

زباں بہ طعنۂ پاکاں کشود و آگہ نے : کہ فرقِ ملت و قوم از لطائفِ ادبی ست

پاک حضرات پر طعنہ زنی کے لیے اس نے زبان تو کھولی، مگر اسے خبر ہی نہیں ہے کہ قوم و ملت کے درمیان فرق ادبی باریکیوں میں سے ہے۔

کہ گفت بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است : دروغ گوئی و ایراد ایں چہ بوالعجبی ست

برسرِ منبر کس نے کہا کہ ملت وطن سے بنتی ہے؟ یہ خالص جھوٹ اور سخن سازی ہے، ہائے تعجب!!

درست گفت محدث کہ قوم از وطن است : کہ مستفاد زفرمودۂ خدا و نبی ست

محدث مولانا مدنیؒ نے صحیح فرمایا کہ قوم وطن سے بنتی ہے، کیوں کہ خدا اور رسول ﷺ کے فرمان سے یہی مستفاد ہے۔

خدائے گفت بہ قرآں لکل قوم ھاد : ولے بہ نکتہ کجا پے برد کسے کہ غبی ست

خدائے تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے: لکل قوم ھاد، ہر قوم کا ایک رہ نما ہوتا ہے، لیکن اس نکتے تک وہ شخص کیسے پہونچ سکتا ہے جو کند ذہنی کا مارا ہے۔

تفاوتے ست فراواں میانِ ملت و قوم : یکے زکیش دگر کشوری ست یا نسبی ست

ملت اور قوم کے درمیان بڑا فرق ہے، ایک کا تعلق عادت و فطرت سے ہے اور دوسرے کا تعلق ملک گیری یا نسب سے۔

بہ ملت ار چہ براہیمی ست سرورِ ما : ولے بہ قوم حجازی بہ دودہ مطلبی ست

ہمارے سردار ﷺ ملت کے اعتبار سے ابراہیمی ہیں، لیکن قوم کے اعتبار سے حجازی اور خاندان کے لحاظ سے مطلبی ہیں۔

کسے کہ ملتِ اسلام نورِ سینۂ او ست : برادر ست اگر زنگی است و در حلبی ست

ملتِ اسلامیہ جس شخص کے سینے کا نور ہو، وہ ہمارا بھائی ہے، خواہ وہ حبشی ہو یا حلب کا باشندہ۔

ولے بہ ہم وطناں در مصافِ آزادی : مجاہدانہ تعاون جہادِ حق طلبی ست

لیکن ہم وطنوں کے ساتھ میدانِ آزادی میں مجاہدانہ تعاون کرنا حق طلبی والا جہاد ہے۔

سلوکِ رفق و مدارا بہ جارِ ذی القربیٰ : عمل بہ حکمِ الٰہی و اتباعِ نبی ست

قرابت دار پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا حکمِ الٰہی پر عمل اور نبی ﷺ کی اتباع ہے۔

محبت وطن است از شعائرِ ایماں : ہمیں حدیثِ پیمبر فدیتہ بابی ست

وطن سے محبت کرنا ایمان کے شعائر میں سے ہے، پیغمبر ﷺ فداہ ابی و امی کا یہی فرمان ہے۔

بہ قومِ خویش خطابِ پیمبراں بہ نگر : پر از حکایتِ یا قوم مصحفِ عربی ست

اپنی قوم کے ساتھ پیغمبروں کا خطاب دیکھیے، قرآنِ پاک یا قوم سے بھرا پُرا ہے۔

بلند تر بود از قوم رتبۂ ملت : کہ حبلِ دین قوی تر ز رشتۂ نسبی ست

ملت کا مرتبہ قوم سے بلند تر ہے، کیوں کہ دین کی رسی نسبی رشتے سے زیادہ مستحکم ہے۔

ز قومِ خویش شمرد اہلِ کفر را بہ احد : رسولِ پاکؐ کہ نامش محمدِ عربی ست

رسول ﷺ جن کا نامِ نامی محمد عربی ہے، انھوں نے غزوۂ احد میں کافروں کو اپنی قوم میں شمار کیا تھا۔

رموزِ حکمتِ ایماں ز فلسفی جستن　:　تلاشِ لذتِ عرفاں ز بادۂ عنبی ست

حکمتِ ایمانی کے اسرار و رموز فلسفی سے ڈھونڈنا ایسا ہے، جیسے معرفتِ خداوندی کی لذت انگوری شراب سے تلاشنا۔

خودت نہ دیدن و با دیدہ ور در افتادن　:　دو گونہ شیوۂ بوجہلی ست و بولہبی ست

اپنی ہستی کو نہ دیکھنا اور کسی بڑی شخصیت پر کیچڑ اچھالنا ڈبل جہالت اور بولہبی ہے۔

خموشی از سخنِ ناسزا گزیدہ تر است　:　کہ ہرزہ لاف زدن خیرگی و بے ادبی ست

نامناسب بات پر خاموش رہنا ہی زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اول فول بکنا، ڈینگ مارنا ہلکا پن اور بے ادبی ہے۔

بہ دیوبند گزر، گر نجات می طلبی　:　کہ دیوِ نفس سلح شور، دانشِ تو صبی ست

اگر تو نجات چاہتا ہے تو دیوبند جا، کیوں کہ تیرا نفس بڑا جنگ جو ہے اور تیری عقل بچہ۔

بگیر راہِ حسین احمد ار خدا خواہی　:　کہ وارث ست نبی را و ہم ز آلِ نبی ست

اگر تجھے خدا کی طلب ہے تو مولانا حسین احمد مدنی کی راہ چل، کیوں کہ وہ وارثِ نبی ہونے کے ساتھ اولادِ نبی ﷺ میں سے بھی ہیں۔

مولانا عبداللہ قاسمی ایک نئے سمت سفر پر

بقلم :- مولانا محمد عاصم کمال الاعظمی

13 / جنوری بروز چہار شنبہ علی الصباح میرے بہت ہی خاص دوست، ہر دل عزیز شخصیت مولانا عبداللہ اعظمی کٹولی کلاں ، خوابوں کے شہر ممبئ کے لیے عازم سفر ہوے، خدا وند قدوس سہولت و عافیت کا معاملہ فرمائے، مولانا کی زیر رفاقت دوسالہ زمانہ تدریس کا تجربہ رہا، میں انھیں کی دعوت اور خواہش پر جامعہ فیض عام آیا تھا؛وگرنہ میرا سابقہ کوئی رابطہ نہ تھا،اور دوسال بعد جب زندگی کا نیاتجربہ کرنے کی غرض سے اس ادارہ سے رخصت کا فیصلہ کیا، تو مولانا کی فرقت اور ان سے جدائی کا غم پیش پیش تھا، مگر میں خوش تھا کہ مولانا اس ادارہ میں علمی اور تربیتی عمل میں سرگرم ہیں، وہ فیض عام کے قدیم اور عرصہ دراز تک خوشہ چینوں اور فیض یافتگان میں ہیں، اس لیے اس ادارہ کی محبت، ترقی اور اس کی نیک نامی کے خواہش مند رہےہیں، ادارہ کے بے حد قدردان اور بہی خواہ ہیں،بتقاضائے مہر وفادیگر بڑے اداروں کے مقابل اپنی صلاحیت کا مظہر اسی جامعہ کو قرار دیا،تعلیم وتدریس کے ساتھ مدرسہ کی دیگر ہنگامی وغیر ہنگامی صورتحال میں ہمیشہ معین ومددگار رہے،اس کی تعمیر وترقی کے اسباب پر غور کرتے اور حتی الوسع اس کے عمل میں لانے کامشورہ بھی دیتے، میں دوران قیام مولانا کی بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں پر مطلع ہوا جو ایک معلم بلکہ عالم میں ہونی چاہیئں، جن میں ان کا ممتاز وصف کسر نفسی، اہل علم وفن کی بے انتہا قدردانی اور اظہار عقیدت و محبت ہے، موقع شناسی اور مزاج شناسی کی صفت سے قابل قدر سطح پر متصف ہیں، بہت خوبیاں ہیں، بڑے کمالات کے مالک ہیں۔ زبان وادب کے بہترین شاہ سوار ہیں، ان کے بقول اب تک سو غزلوں

کا قیمتی اثاثہ تیار کرچکے ہیں، انداز تحریر بالکل ادیبانہ اور نگارشات اعلی درجہ کے ادبی اصناف سے مزین ہوتی ہیں، دل دردمند اور فکر ہوش مند رکھتے ہیں، میرے وجدان کے مطابق اگر ان کو وسیع جولان گاہ یا حوصلہ بخش اور ہمت افزاء فضاء میسر آجائے تو بعونہ تعالیٰ کارہائے نمایاں انجام دے سکیں گے۔۔۔۔مگر دوروز قبل جب مدرسہ فیض عام سے انھوں نے رخصت لی اور بغرض تجارت سفر ممبئ کے حوالے سے علم ہوا تودل بہت رنجیدہ ہوا،طبیعت پر عجیب سے پژمردگی چھاگئ،اور جب ان سے ملاقات ہوئی ، تفصیل معلوم کیا، سلسلہ درس وتدریس کے چھوٹنے اور اس علمی ماحول سے دور ہونے کی بابت ان کے احساس کو جانا،طلبہ وانتظامیہ کے رد عمل کے بارے میں سوال کیا۔۔۔۔۔ تو نتیجۃً حضرت تھانویؒ کا وہ جملہ دہرانے کو جی چاہا،جو انھوں نے مفتی شفیع احمد صاحب رحمہ اللہ کے سفر ہجرت کے موقع پر کہا تھا: *فتیً اضاعوہ، فتیً اضاعوہ:* کیا خوب جوان لوگوں کے ہاتھ سے نکل گیا!

میں مولانا کی اس نئ عملی زندگی میں نیک خواہشات پیش کرتا ہوں، کامرانی وسرخ روئ اور استقامت و عزیمت کی دعا دیتا ہوں، اور اظہار آرزو کرتا ہوں کہ اپنی فکری وذہنی صلاحیتوں کو جلاء بخشتے رہیں اور حسب حال وحسب گنجائش ان اونچی اڑانوں کے لیے فضاء تلاش کر سعی کرتے رہیں، دل تو نہیں چاہ رہا ہے کہ انھیں وداع کہوں، انھیں رخصت کروں، لیکن نوشتہ تقدیر سے کون سبقت کرسکتا ہے،حتی کہ اس غم جدائی کی تخفیف وازالہ کے لیے محترم ڈاکٹر ارشد صاحب کے مطب (شفاء چائلڈ ہیلتھ کیئر، لال گنج) پر مختصر نشست منعقد ہوئی، مولانا ثاقب صاحب قاسمی اور مولانا صابر القاسمی صاحب بھی شریکِ مجلس رہے؛ ڈاکٹر صاحب نے خوبصورت نظم کے ذریعے پرسوز لب ولہجہ میں الوداع کہا، اور پھر سبھی نے اپنی اپنی بولی میں اس درد جدائی کا اظہار کیا، ہمیں مولانا سے بڑی امیدیں ہیں، بڑی توقعات ہیں،پروردگار عالم سدا سلامت رکھے۔ آمین

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے

بقلم :- مفتی صفوان احمد جون پوری

دنیا میں آنا درحقیقت جانے کی تمہید ہے۔ یہاں ہمیشہ رہنے کے لیے کوئی نہیں آیا۔ اس دنیا کے اندر جو لوگ بھی سانسیں لے رہے ہیں ان کی سانسیں ایک نہ ایک دن بند ہونے والی ہیں۔ جو بھی چلنے والے ہیں ان کی چالوں پر ایک دل لگام لگنے والی ھے۔ جو بھی جاندار ہیں وہ ایک نہ دن جانے والے ہیں۔ ہمیشہ رہنے کے لئے یہاں کوئی نہیں آیا۔ یہ دنیا ایک سرائے کی سی ہے۔

اس کار گاہ ہستی میں میں ہر روز لاکھوں لوگ آتے ہیں، اور ہزار ہا ہزار انسان اس دار فانی کو الوداع کہتے ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق دنیا میں ہر روز تقریباً 385000 لوگ پیدا ہوتے ہیں, جبکہ تقریبا ڈیڑھ لاکھ لوگ ہر روز اس دار فانی کو الوداع کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں """ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی انسان کے ہمیشہ رہنے کا فیصلہ نہیں کیا۔" (سورہ الانبیاء آیت 34).

ملے خاک میں اہلِ شاں کیسے کیسے
مکیں ہو گیے لا مکاں کیسے کیسے
ھوے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گی آسماں کیسے کیسے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

اجل نے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دارا
اسی سے سکندر سا فاتح بھی ہارا
ہر ایک چھوڑ کے کیا کیا حسرت سدھارا
پڑا رہ گیا سب یہیں ٹھاٹ سارا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

بیان کیا جاتا ھے کہ ایک شخص نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کیا اور ہر ممکن سازوسامان اس کی شادی میں دیا لیکن قضائے الہی سے چند دن کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئ۔ تو رنجیدہ والد نے رنج و حسرت کے ساتھ کہا۔

یہ آیا یاد اے آرام جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تجھے بھولے تھے ہم سامان شادی میں
اس گلستاں میں بہت سی کلیاں مجھے تڑپا گئیں
کیوں یہ لگی تھی باغ میں کیوں بن کھلے مرجھا گئیں

یوں تو جو آیا ھے تو ایک نہ ایک دن جانا ہے۔ اور ہر ایک کے دنیا سے جانے پر اس کے عزیز و اقارب رنج و الم میں ڈوب جاتے ہیں۔ لیکن چھوٹے بچوں کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کی وجہ سے ماں باپ پر پر رنج و الم کے جو پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں ہیں اس کا اندازہ لگانا دوسرے انسانوں کے بس سے باہر ہوتا ھے۔ ان بچوں کی شرارتی حرکتیں ان کے دلوں میں بار بار کا چکر لگاتی رہتی ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس پر صبر کرنے پر بے انتہا اجر کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ھے "إن عظم الجزاء مع عظم البلاء " (المحدث السیوطی فی الجامع الصغیر) جتنی بڑی مصیبت ہوتی ہے اتنا ہی بڑا بدلہ ملتا ہے۔

مزید یہ کہ ان حادثات پر پر صبر کرنے کے علاوہ انسان کے پاس کوئی چارہ نہیں اور صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان کو بے انتہا اجر عطا فرمائیں گے۔

بحیثیت مسلم، ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ احکام خداوندی کا پابند ہے اور اس کائنات میں رونما ہونے والے تمام واقعات و حادثات تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتے ہیں۔ذرہ ذرہ دہر کا وابستہ تقدیر ہے زندگی کے خواب کی جامی یہی تعبیر ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشادہے """اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کرینگے، دشمن کے ڈر سے، بھوک وپیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے، اور ان صبر کرنیوالوں کو خوشخبری دے دیجئے، جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہہ دیا کرتیہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالی کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، ان پر ان کیرب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں البقرۃ (155- 157).

اور ایک مقام پر اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: اور اللہ تعالی صبر کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے (آل عمران 146). اورایک مقام پر اللہ جل شانہ نے فرمایا: اللہ تعالی یقینا صبر کرنیوالوں کوبغیر حساب کے اجروثواب دیگا (الزمر 10).

نبی آخرالزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالی نے صہیب رضی اللہ تعالی عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" مومن کا معاملہ عجیب ہے کہ اس کے ہر معاملہ میں خیرہی خیر ہے، یہ مومن کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں، اگر مومن کو کوئی آسانی اور خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ اس پر اللہ کا شکر کرتا ہے تویہ اس کیلئے بہتر اور خیر ہے، اور اگر اسے کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے تووہ اس پر صبر کرتا ہے یہ اس کیلئے بہتر اور خیر ہے" صحیح مسلم (5318).یہ حدیث تو عام صبر کے متعلق ہے، اور بچے کے فوت ہونے پر صبر کرنے میں بھی خاص کراحادیث آئیں ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے ابوسنان رحمہ اللہ تعالی سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے اپنے بیٹے سنان کو دفنایا اور قبر کے کنارے ابو طلحہ خولانی رحمہ اللہ تعالی بیٹھے ہوئے تھے جب میں نے نکلنا چاہا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے ابوسنان کیا میں تمہیں خوشخبری نہ دوں؟ میں نے جواب دیا کیوں نہیں، توانہوں نے کہا:

مجھے ضحاک بن عبدالرحمن بن عرزب رحمہ اللہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے حدیث بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" جب کسی بندے کا بیٹا فوت ہوجاتا ہے تو اللہ تعالی اپنے فرشتوں سے کہتا ہے تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کرلی تو وہ کہتے ہیں جی ہاں تو اللہ تعالی کہتا ہے تم نے اس کے دل کا پھل اور ٹکڑا قبض کرلیا تو وہ کہتے ہیں جی ہاں، تواللہ تعالی کہتا ہے میرے بندے نے کیا کہا؟ توفرشتے جواب دیتے ہیں اس نے تیری حمد و تعریف اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، تو اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے بندے کیلیئے جنت میں ایک گھر تیار کردو اور اس کانام بیت الحمد رکھو " جامع الترمذی حدیث نمبر (942).

اوربخاری ومسلم میں کسی شخص کے ایک سے زیادہ بچے فوت ہونے اور اس پر صبر کرنے وراللہ تعالی سے اجروثواب کی نیت کرنے کی فضیلت پر خاص حدیث مذکور ہے: ابو سعید رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ عورتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نصیحت اور تبلیغ کرنے کیلیئے کوئی دن خاص کردیں، تورسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وعظ ونصیحت کی اور فرمایا:" جس عورت کے بھی تین بچے فوت تو وہ آگ سے پردہ ہونگے، ایک عورت کہنے لگی اوراگر دو ہوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور دو بھی" ص یح بخاری (99) صحیح مسلم (4786).

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ: انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
" جس مسلمان شخص کے بھی بلوغت سے قبل تین بچے فوت ہوجائیں اللہ تعالی ان کی وجہ سے اسے اپنی رحمت اور فضل سے جنت میں داخل کریگا" صحیح بخاری حدیث نمبر (1292).
ان احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ جس کے بھی دو یا اس سے زیادہ بچے فوت ہوجائیں اور وہ اس پر صبر کرے تواس کیساتھ جنت میں داخل اور جہنم سے نجات کا وعدہ کیا گیا ہے.
ایک بہت اہم دعا
مصیبت کے وقت ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا سکھائی ہے جس میں بہت فضیلت اور اجر عظیم ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالی عنہ نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے بیان کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:" جس مسلمان شخص کو بھی کوئی مصیبت پہنچے اور وہ وہی کہے جو اسے اللہ تعالی نے حکم دیا ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور یہ دعا پڑھے:
(اللَّهُمَّ أُجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا إِلا أَخْلَفَ اللَّهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا) اے اللہ میری مصیبت میں مجھے اجر دے اوراس کا نعم البدل عطا فرما، تو اللہ تعالٰی اس کو اس نعم البدل عطا فرماتے ہیں "۔
ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں کہ جب ابو سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ فوت ہوئے تو میں کہنے لگی ابوسلمہ سے کون سا مسلمان بہتر ہے .سب سے پہلا گھر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر کے آیا پھر میں نے یہ دعا پڑھ لی تو اللہ تعالی نے مجھے اس کے بدلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دئے۔ صحیح مسلم حدیث نمبر (1525).
لہٰذا ہم میں سے اگر کسی شخص کے ساتھ ایسا حادثہ رونما ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس پر صبر کرے اور اس دعا کا اہتمام کرے، تو اللہ تعالی بے انتہا اجر مرحمت فرمائیں گے اور ان شاء اللہ نعم البدل عطا فرمائیں گے۔ اور آخرت میں اجر عظیم بھی ان شاءاللہ ملے گا۔

قاضی اطہر مبارکپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بقلم :- مفتی فضل محمود غفرلہ الودود الفلاحی

قاضی اطہر مبارکپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ (پیدائش 4 رجب 1334ھ مطابق 7 مئی 1916ء - وفات 27 صفر 1417ھ مطابق 14 جولائی 1996ء) کی مختصر حالات زندگی ، اور آپ کی کتاب **حیات جمیلہ** یعنی **اسلامی نظام زندگی** پر ایک طائرانہ نظر

ترتیب و پیشکش : **مفتی فضل محمود غفرلہ الودود الفلاحی**

تقریباً 17 سال قبل ایک کباڑی کے یہاں سے ایک بوسیدہ جیبی سائز کی کتاب ھمارے ایک مطالعہ کے باذوق کرم فرما کے ھاتھوں لگی ۔ موصوف نے وہ کتاب پڑھ کر مجھے عنایت کی اور کہا کہ دیکھو یہ ایک بہت عمدہ کتاب ھے لیکن بوسیدہ ھوجانے کی وجہ سے قابل استفادہ نہیں رہی ۔ آپ اس پر محنت کرکے ازسر نو بڑی سائز میں ایڈیٹنگ کیجئے ۔ بندہ نے بھی اس کا مطالعہ کیا اور بہت ھی مفید و نافع پایا اور اور الحمدللہ اس پر کچھ محنت کرکے جدید ترتیب کیساتھ کمپوز کرکے کتابی شکل میں منظر عام پر لے آیا۔ وہ کتاب تھی **حیات جمیلہ** یعنی **اسلامی نظام زندگی** دو دو صفحات پر مشتمل عمدہ مضامین کا شاہکار ھے ۔ از دل خیزد بر دل ریزد کا بالکلیہ مصداق ۔

آج سے 72 سال قبل 1949ء میں یہ کتاب پہلی مرتبہ منصہ شہود پر آئی تھی اور اس وقت مسلمانان ہند کی جس حالت زار اور زبوں حالی پر مولف محترم بے چین و بے قرار تھے آج پون صدی گذرنے کے بعد بھی وہی بلکہ اس سے بدتر حالت ہورہی ھے ۔ آج برادران اسلام

پورے برصغیر میں مذہب و دین سے بیزار اور عقائد و اعمال ، اخلاق و کردار سے بالکل بے بہرہ نظر آرہے ھیں ۔ جیسا کہ خود مصنف علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ھیں :

"آج کل مسلمانان ہند کا اخلاقی ، دینی ، تمدنی اور معاشی نظام جس قدر بگڑا ھوا ھے اس کی نظیر ماضی میں اس قوم کے اندر نہیں ملتی ۔

فاضل و قابل مصنف نے اپنی دیگر کتب کے مقابلہ میں اس کتاب کو بہت عام فہم اور سادہ زبان میں تحریر فرمایا ھے جیسا کہ خود رقمطراز ھیں :

"مجھے اعتراف ھے کہ یہ مجموعہ مضامین علمی نقطہ نظر سے بہت بلند پایہ نہیں ھے ۔ کیونکہ اس کے مخاطب عوام مسلمان ھیں ۔ اسی لئے زیادہ زور عوامی زندگی پر دیا گیا ھے اور طرز بیان میں خطیبانہ رنگ ھے ۔

اس کتاب کی اھمیت و ضرورت کیلئے اتنا ہی کافی ھے کہ اس کے آغاز میں **حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم جمعیۃ علماء ھند** کا ایک وقیع مضمون **"عنوان حدیث"** کی سرخی سے اس کتاب کی اھمیت کو اجاگر کر رھا ھے جس میں حضرت تحریر فرماتے ھیں :

"یہ گلدستہ مضامین موجودہ حالات میں ملت کی بہت بڑی ضرورت پورا کررھا ھے یعنی مسلمانوں کے سامنے آیات و احادیث مقدسہ کے حوالوں کے ساتھ بلند اخلاق کی وہ تعلیم پیش کررھا ھے جس کی دور حاضر میں زیادہ ضرورت ھے۔۔۔ ضرورت ھے کہ یہ رسالہ ہر وقت مسلمان کے پاس رہے اور وہ اس کا بار بار مطالعہ کرے۔

مصنف علیہ الرحمۃ کے نام نامی اسم گرامی سے بچپن ھی سے آشنا تھا ۔ چونکہ روزانہ **روزنامہ انقلاب** گھر آتا تھا اور اس کے آتے ہی ھم بھائی بہنوں کی اس کے حصول کیلئے چھینا جھپٹی شروع ھوجاتی تھی ۔ اس میں ایک کالم **جواھر القرآن** کے نام سے اسی مشہور و معروف شخصیت کا پابندی سے آیا کرتا تھا ۔ تقریباً 40 سال تک یہ کالم برابر **انقلاب** کی زینت بنتا رھا

اور آج بھی اس کالم کو **بیاد گار قاضی اطہر مبارکپوری روزنامہ انقلاب** میں یاد کیا جاتا ھے ۔

برگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق : ثبت ست بر جریدہ عالم دوام ما

اور **جواھر القرآن** کے وہ تمام کالمس **معارف القرآن** کے نام سے کتابی شکل میں بھی شائع ھوچکے ھیں ۔

میری خوش نصیبی اور سعادت مندی :

میرے لئے خوشی اور سعادت مندی کی بات ھے کہ الحمدللہ 1991ء میں کتابوں کی خرید کے سلسلہ میں اور کچھ قدیم کتب طب کی تلاش میں دیوبند جانا ھوا تھا اور نعمت غیر مترقبہ کے طور پر اس عظیم المرتبت مایہ ناز علمی شخصیت کیساتھ اس عظیم علمی و روحانی مرکز میں ملاقات کا پہلا اور آخری شرف حاصل ھوا اور مہمان خانہ میں ساتھ رھنے کی سعادت بھی نصیب ھوئی۔۔۔ الحمدللہ علی ذالک

بات چل رہی تھی موصوف کی کتاب **حیات جمیلہ** یعنی **اسلامی نظام زندگی** کی ۔ جب وہ تیار ھوگئی تو دل میں داعیہ پیدا ھوا کہ ابتدا میں اس فاضل و قابل مصنف کے کچھ مختصر حالات زندگی بھی قلمبند کردوں ۔ لہذا اس وقت جو حالات زندگی تحریر کئے تھے آج آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررھا ھوں ۔۔۔

ولادت ، نام ونسب ، وطن ، زمانۂ طالب علمی اور اساتذہ کرام

مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت 4/رجب المرجب 1334 ھ بمطابق 7/مئی 1916 کو مبارکپور ضلع اعظم گڈھ میں ھوئی ۔ آپ اپنے نام سے زیادہ تخلص "اطہر" سے اور خاندان میں چلے آرھے عہدہ قضا کی وجہ سے "قاضی" سے اور اپنی جائے ولادت کی طرف منسوب ھوکر "مبارکپوری" سے مشہور و معروف ھیں ۔

حالانکہ آپ کا نام نامی اسم گرامی "عبدالحفیظ" ھے ۔ آج اگر کوئی آپ کا نام **"حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب اعظمی"** تحریر کردے تو یہ ھر ایک کیلئے اجنبی ھوگا ۔

آپ کے والد ماجد کا نام **الحاج شیخ محمد حسن** ہے ۔ آپ کی والدہ محترمہ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا۔ اور آپ کا ننھیال **"همه خانه آفتاب ست"** کا صحیح مصداق تھا۔ اسی لئے **"قاضی صاحب"** کی تعلیم و تربیت میں ننھیال کا بڑا دخل رہا۔

ابتدائی تعلیم گھر پر پائی پھر مقامی مدرسہ **"احیاء العلوم"** میں تمام تر تعلیم حاصل کی ۔ عسرت کا عالم تھا اس لئے گھر پر کسب معاش کا سلسلہ بھی جاری رہا ۔

طلب علم کا زمانہ 1350ھ سے 1359ھ تک ھے ۔ مولانا شکر اللہ صاحب سے مرقات ، ہدیہ سعیدیہ ، ملا حسن ، حمد اللہ ، قاضی مبارک ، کافیہ، شرح جامی وغیرہ پڑھیں ، بعض کتب منطق مولانا بشیر احمد مبارکپوری سے ، مولانا محمد عمر صاحب مبارکپوری سے جلالین ، مولانا محمد یحیی صاحب رسول پوری سے ہیئت اور عروض و قوافی ، اور مفتی محمد یاسین صاحب مبارکپوری سے اکثر و بیشتر کتابیں پڑھیں ، 1359ھ میں **جامعہ قاسمیہ مراد آباد** سے فارغ التحصیل ہوئے ۔ یہاں مولانا فخر الدین صاحب سے بخاری شریف ، ابوداود ، ابن ماجہ ، مولانا اسماعیل صاحب سنبھلی سے مسلم شریف اور مولانا محمد میاں صاحب سے ترمذی ، دیوان حماسہ و مقامات اور زمخشری کا کچھ حصہ پڑھا۔

زمانہ طالب علمی سے ہی معیاری رسائل و جرائد میں مضامین کی اشاعت

طالب علمی کے دور 1353ھ ہی سے آپ کے اشعار اور مضامین ماہنامہ الفرقان رسالہ قائد مراد آباد ، سہ روزہ زمزم لاھور ، ہفتہ وار مسلمان لاھور ، ہفتہ وار العدل گوجرانوالہ، الجمعیۃ دہلی ، وغیرہ میں شائع ھونے لگے ، پھر معیاری رسائل معارف برہان اور دارالعلوم میں بھی طبع ھونے لگے ۔

علمی ، ملی ، تصنیفی اور صحافتی خدمات کا ایک طویل سفر

فراغت کے بعد 1359ھ تا 1364ھ پانچ برس احیاء العلوم مبارکپور میں مدرسی کی ، پھر ڈیڑھ ماہ مرکز تنظیم اہل سنت امرتسر سے وابستہ ہوکر ردشیعیت و قادیانیت پر مضامین لکھے پھر 13 جنوری 1945ء سے جون 1947ء تک زمزم کمپنی لاھور سے منسلک رہے ۔ وھاں نو سو صفحات میں **منتخب التفاسیر** مرتب کی اور دوسری کتابیں بھی لکھی مگر افسوس کہ وہ سب تقسیم ملک کی نذر ہو گئیں ۔

تقسیم ہند کے بعد ہفتہ وار اخبار "انصار" بہرائچ کے مدیر رھے ۔ یہ اخبار حکومت کی نظر عتاب سے آٹھ ماہ میں بند ھوگیا ۔

شوال 1366ھ سے صفر 1367ھ تک پھر **احیاء العلوم مبارکپور** میں عارضی مدرس رھے ، شوال 1367ھ تا شعبان 1368ھ ایک برس **جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات** میں تدریسی خدمت انجام دی ۔

بمبئی تشریف آوری اور وہاں کی ناقابل فراموش خدمات

نومبر 1949ء میں بمبئی تشریف آوری ھوئی اور **دفتر جمعیۃ علماء** میں افتاء وغیرہ کا کام کیا ، جون 1950ء میں وھاں روزنامہ **"جمہوریت"** جاری ھوا تو اس کے نائب مدیر رھے ۔

فروری 1951ء سے مارچ 1991ء تک چالیس برس سے زائد مدت تک روزنامہ **"انقلاب"** بمبئی میں علمی ، تاریخی ، دینی و سیاسی مضامین لکھتے رھے اور یہ روزنامہ **"انقلاب"** کے ذمہ داروں کی قدر دانی کی بات ھیکہ آج تک اس کالم کو موصوف کی یاد میں **"بیادگار قاضی اطہر مبارکپوری"** جاری رکھا ھوا ھے ۔

1952ء سے ماہنامہ "البلاغ" بمبئی سے جاری ھوا ۔ وہ آپ کی ادارت اور ذمہ داری میں 25 برس سے زائد تک نکلتا رہا ۔

انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی میں نومبر 1960ء سے 10 سال تک دینی تعلیم دی ۔ دارالعلوم امدادیہ بمبئی میں دو مرتبہ مدرسی کی ، تیس برس سے زائد تک بمبئی میں رہ کر صحافت و تدریس و تالیف میں مصروف رہے ۔

دارالعلوم ، مسجد اور اسکول کی بنیاد

بمبئی سے قریب بھیونڈی میں **"مفتاح العلوم"** قائم کیا جو عظیم دینی ادارہ بن گیا ھے ۔

1976ء میں **انصار گرلز ہائی اسکول مبارکپور** جاری کرایا ۔

1401ھ میں **الجامعۃ الحجازیۃ مبارکپور** حجازی جامع مسجد تعمیر کرائی ۔

حکومت ہند کی طرف سے اعزازی ایوارڈ

1985ء میں علمی و تاریخی تصانیف پر حکومت ہند نے آپ کو اعزازی ایوارڈ عطا کیا ۔

پاکستان نے "محسن سندھ" کا خطاب دیا

1980ء پھر 1984ء اور 1986ء میں نیم سرکاری تنظیم فکر و نظر سندھ کی دعوت پر سرکاری مہمان کی حیثیت سے پاکستان گئے ۔ تنظیم نے آپ کی کتابیں چھاپوں، ایک عظیم اجلاس میں ان کا اجراء کیا اور آپ کو **"محسن سندھ"** کا خطاب دیا ۔ **جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان** نے اپنے ہاتھوں سے اعزازی نشان اور تحائف و ہدایات دیئے ۔

مصر و سعودی عرب سے آپ کی کتابوں کی اشاعت

آپ کی کتابوں کو اللہ تعالی نے وہ قبولیت بخشی کی چند کتابوں کا عربی میں ترجمہ ڈاکٹر عبدالعزیز عزت عبدالجلیل نے 1979ء میں مصر سے شائع کیا ۔ ریاض سے بھی آپ کی کتاب شائع ھوئی ۔

چند اخلاق حمیدہ

آپ نہایت سادہ طبع ، مخلص ، متواضع ، تکلف و تصنع سے بری، عظمت و بڑائی سے دور ،

طبیعت میں غیرت و خود داری ، کسی کے عہدہ و منصب یا تمول و جاہ سے نہ کبھی مرعوب ہوئے اور نہ اس سے جھک کر ملے ، اہل علم کے بڑے قدر شناس، ظاہر داری اور مصلحت پسندی کے مخالف ، حرص و تملق سے نفور ، خاموش خدمت کے عادی ، ریاء و نمائش سے خالی ، اپنے خردوں کیساتھ بے تکلف ، معمولی کاموں پر ان کی حوصلہ افزائی ، اپنے بزرگوں کا اعزاز و اکرام ، علماء کرام کو اپنے گھر دعوت دے کر بے پایاں مسرور ، بوریہ نشینی پر قانع، دوسروں کے غم میں شریک اور ان کی خدمت کے عادی ۔

نماز باجماعت کے پابند ، کسی بھی عذر سے مسجد میں جانا نہ چھوڑتے ، شاہانہ دعوت ٹھکرا دیتے اگر اس میں کوئی خلاف شرع کام ھوتا ، حلال و طیب آمدنی حاصل کرتے ، روزانہ علی الصباح قبرستان جاکر مردوں کو ایصال ثواب کرتے ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خوگر تھے ، پانچ بار زیارت بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ھوئے ۔

مرض علالت اور لقاء رب

زندگی کے اخیری ایام میں ایک طویل عرصہ تک نزلہ زکام میں مبتلا رھے، جس کی وجہ سے ناک کے بائیں سوراخ سے خون آنے لگا ، 29 اکتوبر 1995ء کو اعظم گڑھ میں ناک کا آپریشن کرایا جو بظاہر کامیاب تھا مگر اس کے بعد کمزوری بڑھتی چلی گئی ، 6 جنوری 1996ء سے بار بار پیشاب کا عارضہ لاحق ھوگیا اور پھر گردوں نے بھی جواب دے دیا ، وفات سے ایک ماہ قبل مسلسل بخار رہا ، بالآخر 28 صفر المظفر 1417ھ بمطابق 14 جولائی 1996ء یکشنبہ کا دن گذار کر دس بجے شب میں رفیق اعلی سے جا ملے ۔

لائی حیات آئے لے لی قضا چلے : نہ اپنی خوشی آئے نہ اپنی خوشی چلے

مبارکپور ، اعظم گڑھ ، بنارس ، جون پور ، غازی پور ، مئو وغیرہ کے علماء و فضلاء کی عظیم تعداد کے ھاتھوں بروز دوشنبہ مبارکپور میں مدفون ھوئے ۔

آپ نے اپنی باقیات الصالحات میں 36 سے زائد مطبوع و غیر مطبوع کتابیں چھوڑیں۔۔۔ (ختم شد)

موجودہ حالات میں قرآنی ہدایات

بقلم :- مفتی محمد اجمل قاسمی استاد تفسیر وادب مدرسہ شاہی مرادآباد

انسان کے پیش کردہ نظریات وقت کے گذرنے سے ساتھ فرسودہ ہوجاتے ہیں، مفکرین کے پیش کئے ہوئے حل اگلے زمانے میں ازکار رفتہ قرار پاتے ہیں، من کو موہ لینے والا اسلوب اور دل کو چھولینے والا طرز بیان ایک عرصے کے بعد اپنی کشش کھودیتا ہے، مگر قربان جائیں قرآن مجید کے، یہ ایسی کتاب ہے جو اپنی ساری آب وتاب کے ساتھ ہمیشہ ترو تازہ اورسدا زندہ ہے، صدیاں بیت گئیں، زمانے گذر گئے، نہ اس کے اسلوب کی شوکت جاتی ہے، نہ اس کے نظم کی حلاوت کم ہوتی ہے، اورنہ ہی اس کی تعلیمات انسانیت کی رہنمائی سے عاجز وقاصر ہوتی ہیں، اور کیوں نہ ہو جب کہ علیم وخبیر رب نے ہر پہلو سے اسے پختہ اور ٹھوس بنایا ہے، اور اسے سارے زمانوں اورسارے انسانوں کے لیے ابدی ہدایت بناکر بھیجا ہے، قرآن کریم میں پچھلی قوموں کے واقعات کا انتخاب اور اس کو پیش کرنے کا انداز اتناشاندار ہے کہ پڑھنے والوں کو ماضی کی ان داستانوں میں حال تصویر صاف نظر آتی ہے، اوران واقعات کے ضمن میں قدم قدم پر جو ہدایات ہیں ان سے اپنے زمانے کے حالات میں بہترین رہنمائی ملتی ہے، اس طرح قرآن کریم میں گذری قوموں کے واقعات میں آنے والی قوموں کے لیے نصیحت کا بڑا سامان آگیاہے، اللہ کا یہ ارشاد بالکل برحق ہے:

''لَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ''(الانبیاء:10)

" ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے"

آج امت مسلمہ عالمی اور ملکی دونوں سطح پر نہایت بے کسی اور بے بسی کے دور سے گذر رہی ہے، لڑی ٹوٹنے پر جیسے تسبیح کے دانے تیزی سے ایک کے اوپر ایک گرتے چلے جاتے ہیں ، اسی طرح آج مسائل وچیلنجز یکے بعد دیگرے تیزی اور تسلسل کے ساتھ سامنے آرہے ہیں، آئے دن کوئی نہ کوئی نئ مصیبت درپیش ہوتی ہے جو آزمائش وامتحان کی زنجیر میں نئے حلقوں کا اضافہ کرجاتی ہے، مسلمان خوف و دہشت اور مایوسی کا شکار ہوتے ہیں، اور ان کے ذہن میں طرح طرح کے سوال گردش کرنے لگتے ہیں۔ قرآن کریم نے ہمیں واضح طور پر بتایا ہے کہ دنیا میں صرف برے اور غلط کار لوگ ہی پریشانیوں سے دوچار نہیں ہوتے، بلکہ اچھے لوگوں، اللہ کے نیک بندوں اورحق کے پرستاروں کو بھی زندگی مختلف موڑوں پر سخت حالات اور پریشانیوں سے گذرنا پڑتاہے، اوراس میں اللہ کی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نے اہل حق کی آزمائشوں کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی بتایا کہ امت جب بھی کسی ایسے سخت آزمائشی دورسے گذرے تو اسے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے ، ذیل میں ہم اسی سلسلے میں قرآن پاک سے ملنے والی کچھ ہدایات پیش کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی اس کو مفید ونافع بنائے، توآیئے ان ہدایات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

1-تقوی : تقوی کیا ہے؟ تقوی اللہ تعالی سے ایسے تعلق کا نام ہے جس میں وہ شوق ومحبت بھی ہو جس کی وجہ سے آدمی کے لیے اللہ کے پسندیدہ احکام کی پیروی آسان اور محبوب بن جائے، اور وہ ڈر اور خوف بھی ہو جس کی وجہ سے نافرمانیوں کا ارتکاب آدمی

کے لیے مشکل ہو جائے، آزمائشیں بہت سی دفعہ انسان کی بداعمالیوں کے نتیجے میں بطور تنبیہ اللہ رب العزت کی طرف سے بھیجی جاتی ہیں، تاکہ غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگ ہوش میں آکر اللہ سے رجوع کریں، اس کے دین کے احکام بجالائیں، اور اس کی نافرمانیوں سے پرہیز کریں، یوں تو تقوی کی صفت ہر حال میں مطلوب ہے، مگر آزمائشوں کے دور میں اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، تقوی ہی سے اللہ کی نصرت و مدد ملتی ہے، مشکل آسان ہوتی ہے، اور مصیبتوں سے نکلنے کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، قرآن میں جابجا تقوی کی تاکید کی گئی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

''وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا''

(الطلاق:2-3)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا، اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہو گا، اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس (کی مدد) کے لیے کافی ہے۔"

2- صبر: آدمی یہ ذہن بنالے کہ ہمیں اللہ کو راضی رکھنا ہے، اور ہر حال میں اس کے دین پر مضبوطی سے جمنا ہے، پھر اس کے لیے خواہشات کی قربانی دینی پڑے، مفاد کی قربانی دینی پڑے، جان ومال، کھیتی وکاروبار کا نقصان برداشت کرنا پڑے، دشمنوں کی طرف سے دلخراش طعنے سننے پڑیں، اور مخالفتوں کا سامنے کرنا پڑے، اللہ کی رضا کے لیے سب کچھ برداشت کرے، اور دین پر مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ محکومیت اور

مظلومیت کے دور سے صبر کی صفت سے آراستہ ہوئے بغیر کامیابی کے ساتھ نکلا نہیں جاسکتا، اہل حق کا قافلہ جب بھی آزمائشوں سے دوچار ہوا ہے انہیں صبر واستقامت اورپامردی کی تلقین کی گئی ہے، فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑنے کا اعلان کیا تو حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ سے مدد طلب کرنے اور صبر اختیار کرنے کی تلقین کی :

''قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ . قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّهِ وَاصْبِرُواْ إِنَّ الأَرْضَ لِلّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاء مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ'' (الأعراف:127-128)

(فرعون) "بولا : ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے،اور ان کی عورتوں کوزندہ رکھیں گے اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے، موسی نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتاہے اس کا وارث بنادیتا ہے، اور آخری انجام پرہیز گاروں کے ہی حق میں ہوتاہے۔"

3- نماز: نماز کی اہمیت یوں تو ہر حال میں بہت زیادہ ہے، مگر خصوصیت کے ساتھ آزمائشی حالات میں نماز کی تاکید کئی مقامات پر آئی ہے، مشکل حالات میں دین پر استقامت کے لیے جس صبر اور ایمانی استقلال کی ضرورت ہوتی ہے ، وہ اللہ سے مضبوط تعلق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اور نماز اللہ رب العزت سے تعلق قائم کرنے کا سب سے آسان اور مؤثر طریقہ ہے، نماز میں جب عاجز و درماندہ اور پریشاں حال بندہ اللہ سے اپنے دکھ درد کا اظہار کرتا ہے، اس کے سامنے تڑپتاہے، روتا اور بلکتا ہے، تو اللہ کی رحمت

فوراً اس بندے کی مسیحائی کرتی ہے، چنانچہ اسے ایک روحانی سکون ملتا ہے، تسلی حاصل ہوتی، ایمان میں تازگی آتی ہے اور قربانی کا نیا عزم وحوصلہ پیدا ہوتاہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو آپ نماز کی طرف متوجہ ہوتے، نمازسے آپ کے شوق کا یہ حال تھا کہ سفر ہو حضر ہو، امن ہو جنگ ہو، رزم ہو بزم ہو، غمی ہو خوشی ہو، نیند وآرام کا وقت ہو، یا مصروفیات وبیداری کا ایک چیز جس کے اہتمام میں کبھی فرق نہیں آتا تھا وہ نماز ہے، آزمائشوں میں گھرے لوگوں کو اللہ تعالی نے ایک سے زائد مقام پر خصوصیت سے تاکید فرمائی ہے ، ارشاد ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ''

(البقرۃ:153)

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو،بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

4 - احتساب : دین پر عمل کرنے کی راہ میں جو پریشانیاں پیش آئیں، شریعت پر چلنے میں جن مشکلات کا سامنا ہو، مسلمان اور کلمہ گو ہونے کی وجہ سے جو جو ناگواریاں اور نقصان گوارا کرنا پڑے اس پر ہمت ہارنے اور ناامید وپریشان ہوکر شکستہ خاطر ہونے کے بجائے اللہ سے ان مصیبتوں پر اجر وثواب کی امید رکھے، آزمائشوں کو گناہوں کے لیے کفارہ اور نیکیوں میں اضافہ کا ذریعہ سمجھے ، یہی چیز احتساب کہلاتی ہے، یہ صفت کسی بندۂ مومن میں اگر پیدا ہوجائے تو وہ بآسانی بڑے بڑے غم سہار جاتا ہے، بڑے سے بڑے نقصان پر صبر کرلیتاہے، اورآئندہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے پرعزم رہتاہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ آخرت کے ثواب کا شوق دلاکر صحابہ کو دین کے لیے قربانیوں پر ابھارا گیاہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

"فَالَّذِينَ هَاجَرُواْ وَأُخْرِجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُواْ فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُواْ وَقُتِلُواْ لأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّن عِندِ اللّهِ وَاللّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ" (آل عمران:195)

"پس جن لوگوں نے ہجرت کی، اورانہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا ،اورمیرے راستے میں تکلیفیں دی گئیں ، اور جنہوں نے (دین کی خاطر) لڑائی لڑی اور قتل ہوئے ، میں ان سب کی برائیوں کا کفارہ کردوں گا ، اورانہیں ضرور بالضرورایسے باغات میں داخل کروں گاجن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ، یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے انعام ہو گا،اوراللہ ہی ہے جس کے پاس بہترین انعام ہے۔"

5- توکل : پریشانیوں میں اللہ کی نصرت اور مدد پر بھروسہ کیاجائے، اس کی ذات عالی سے حسن ظن رکھا جائے، حالات کی سختی اور وسائل کے فقدان کی وجہ سے مایوسی اورنا امیدی کے بجائے اللہ کی طاقت وقدرت پر اعتماد کیا جائے ،اس کی قدرت کے سامنے دنیا کی ساری فرعونیت ہیچ ہے، وہ ایسا سہارا ہے جس سے مضبوط کوئی سہارا نہیں ہے:

کیا غم ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

اللہ نے فکر و عمل اور مال واسباب کے جو بھی جائز وسائل مہیا کئے ہیں ان کو بھی اچھی طرح بروئے کار لائے ، اور ممکنہ جد وجہد کرے، مگر نظر اسباب کے بجائے رب الاسباب پر ہو، بھروسہ اپنی تدبیروں کے بجائے اللہ کی توفیق اور اس کی نصرت پر ہو، یقین ہو کہ اس کی مدد شامل ہوگی تو ذرۂ بے مقدار سے بھی بڑے بڑے کام بن جائیں گے، اوراگر

توفیق شامل حال نہ ہوئی تو پہاڑوں جیسے منصوبے اور تدبیریں مکڑی جالے سے زیادہ بے وقعت ثابت ہوں گے۔ اللہ پر اعتماد وبھروسہ ایک عجیب و غریب صفت ہے، قرآن شاہد ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ بہت سی دفعہ اسباب و وسائل سے تہی مایہ مٹھی بھر لوگوں نے محض اللہ کے اعتماد و بھروسے پر بڑے بڑے معرکے سر کرلیے، اور بڑی بڑی کامیابیوں سے سرفراز کئے گئے، توکل کی ضرورت یوں تو ہرحال میں ہے، مگر نازک گھڑی اور مخالف ماحول میں دینی اور ملی جدوجہد کرنے والوں کو اس صفت آراستہ ہونا از حد ضروری ہے، قرآن میں جا بجا توکل کی تاکید آئی ہے ، اس سلسلے کی ایک آیت اوپر بھی گذرچکی ہے، ایک اور نقل کی جاتی ہے جس میں صحابہ کی قربانی واطاعت اوران کے جذبۂ توکل کو خوب سراہا گیاہے:

''الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَآ أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوا أَجْرٌ عَظِيمٌ. الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ''

(آل عمران:172-173)

"وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اوررسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے، وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (تمھارے دشمن) لوگ تمہارے مقابلے کے لیے جمع ہوگئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس خبر نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کردیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے"۔

6- انفاق یعنی راہ خدا میں مال خرچ کرنا: مال آدمی کو فطری طور پر بہت محبوب ہے، بڑے جتن اور محنت کے بعد ہاتھ لگتا ہے اس لیے دل میں اس کی قدر بھی بہت زیادہ ہوتی ہے، اب یہ محبوب اور عزیز تر چیز اگر کسی چیز پر قربان کی جائے تو لامحالہ وہ چیز بھی قیمتی اور قابل قدر ہوجائے گی، اس لیے دل میں دین کی قدر وقیمت پیدا کرنے کے لیے دین اور اہل دین پر مال خرچ کرنا ضروری ہے۔ مزید برآں یہ کہ مال کی محبت اگر اعتدال سے بڑھ جائے، تو وہ آدمی کو خود غرض اور مفاد پرست بناتی ہے، اور دین وایمان کے لیے ایک حجاب بن جاتی ہے، ایسا شخص دین کے لیے مالی مفاد کی قربانی دینے کا حوصلہ نہیں جٹا پاتا، قارون موسی علیہ السلام کی دعوت کو اس لیے قبول نہ کرسکا کہ اس کے مالی مفاد پر زد پڑتی تھی، قوم شعیب علیہ السلام کے ایمان نہ لانے کے جو اسباب تھے، ان میں ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ایمان قبول کرنے کی صورت میں انہیں کاروباری نقصان نظر آتا تھا۔ جو آدمی خیر کے کاموں میں مال کوخرچ کرتا رہتاہے اس کے دل میں دنیا کی محبت اعتدال سے آگے نہیں بڑھتی، جس کی وجہ سے وہ مال سے دنیوی فوائد حاصل کرنے کے ساتھ اخروی ثواب بھی حاصل کرتاہے، پس راہ خدا میں مال خرچ کرنا اس حب مال اورحب دنیا کا بہترین علاج ہے جسے ہر برائی کی جڑ قرار دیا گیاہے۔

راہ خدا میں مال خرچ کرنا ہر مومن کی ایمانی ضرورت اور اس کا روحانی علاج ہے ، اسی لیے تنگی اور فراخی ہر حال میں خرچ کرنے کی تاکید آئی ہے، مگر امت جب کمزوری اور مغلوبیت کے دور سے گذر رہی ہو تومال خرچ کرنا محض اپنے روحانی علاج کے لیے ہی نہیں بلکہ دین اور اس کے ماننے والوں کی بقا کے لیے بھی نہایت ضروری ہوجاتا ہے، مساجد و مدارس اوردینی مراکز کی بقا، اسلامی تحریکوں کا احیاء، غریب و مفلس مسلمانوں کی

خبر گیری، لٹے پٹے اور اجڑے ہوئے ایمانی بھائیوں کی باز آبادکاری، فرضی مقدموں میں ماخوذ مظلوموں کی داد رسی، غرضے کہ سیکڑوں تقاضے پیدا ہوجاتے ہیں، جن کے لیے وسیع پیمانے پر مال کی سخت ضرورت ہوتی ہے، وقت کے یہ تقاضے اتنی اہمیت اختیار کرلیتے ہیں کہ ان کے پورا کرنے میں کوتاہی برتی جائے تو خطرہ پیدا ہو جاتاہے کہ کہیں دین ضائع نہ ہوجائے، اور دین کے ماننے والے ایمان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں، اسی لیے صحابہ جب مشکل دور سے گذر رہے تھے، اوران کے اوپر ہرطرف سے مسائل کے انبار تھے، تو قرآن کریم نے ان کو مختلف انداز میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی تاکید کی اورترغیب دلائی ،ایک جگہ ارشاد ہے:

''وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوَاْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ''(البقرۃ:195)

''اوراللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اوراپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ تعالی نیکی کرنے والوں سے محبت کرتاہے'' (اُس وقت اسلام اور مسلمانوں کو جو اہم مالی تقاضے درپیش تھے صحابہ کو اس کے لیے مال خرچ کرنے کی تاکید کی گئی، اور کہا گیا کہ اس وقت ان تقاضوں پر مال خرچ کرنے میں کوتاہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہوسکتی ہے)

7- ذکرواستغفار اوردعا: انابت، رجوع الی اللہ، دعا اورذکر واستغفار درحقیقت جوہر عبادت اور روح بندگی ہے، یہ وہ پاکیزہ صفات ہیں جو سفلی اورحیوانی جذبات سے بوجھل انسان کو ملکوتی انوار میں رنگ دیتی ہیں، اور بندے کو اللہ کے بہت قریب کر دیتی ہیں، یہ بندے

جب کسی کام کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کو اللہ کی تائید ونصرت حاصل ہوتی ہے،وہ جب اپنے رب کو پکارتے ہیں توان کی پکار سنی جاتی ہے،اللہ انہیں وہ بصیرت عطا کرتا جس سے مشکل گھڑی میں نجات کی راہیں واضح ہوتی ہیں، اللہ تبارک وتعالی کی نصرت ومدد اوراس کی نظر رحمت کو اپنی طرف موڑ میں دعا واستغفار، ذکر اللہ کی کثرت ، انابت اور الحاح وعاجزی اوراس کے حضور جبین نیاز رگڑنے کا بڑا اثر ہے، اللہ تعالی نے پریشان کن حالات میں قرآن کریم میں جگہ جگہ اہل ایمان کوذکر کی کثرت ، توبہ واستغفار، اوردعاکی تلقین کی ہے،اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں بھی ہمیں یہ بات بہت نمایاں طورپر ملتی ہے، لہذا آج کے حالات میں ہر صاحب ایمان کو اس طرف بھر پور توجہ دینے کی کی ضرورت ہے، قرآن کریم نے دشمنوں کے مقابلہ میں انبیاء کرام کاساتھ دینے والے اللہ والوں کا حال ہماری تعلیم کی غرض سے بڑی شان سے بیان کیا ہے، مشکل کی حالات وہ کس طرح جمے اور کٹھن گھڑیوں کس عاجزی سے اپنے رب کوپکارا اوراپنے گناہوں پر معافی کے خواستگار ہوئے قرآن کے الفاظ میں پڑھئے :

‘‘وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ، وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلاَّ أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ، فَآتَاهُمُ اللهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الآخِرَةِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ’’(آل عمران:146-148)

"اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، نتیجتا انہیں اللہ کے راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری ، نہ وہ کمزور پڑے اورنہ انہوں نے اپنے آپ کوجھکایا،اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے،ان کے منہ سے جو بات نکلی وہ اس کے سوا نہیں تھی کہ وہ کہہ رہے تھے: ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو بھی اور ہم سے اپنے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہواس کو بھی معاف فرمادے ، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور کافرلوگوں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرمادے،چنانچہ اللہ نے انہیں دنیا کا انعام بھی دیا اورآخرت کا بہترین ثواب بھی ، اوراللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے"

ایک دوسرے مقام پر دشمن سے مقابلہ کے وقت کثرت سے اللہ کو یاد کرنے کی تاکید کی فرمایا:

''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُواْ إِذَا لَقِیتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُواْ وَاذْكُرُواْ اللّهَ كَثِیرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلَحُونَ''(الانفال: 45)

"اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے توثابت قدم رہو، اوراللہ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔"

حالات اورآزمائش کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ اس سلسلے میں ہم نے جو یہ چند معروضات پیش کی ہیں ان کو روحانی، باطنی یا دینی تدابیر کا نام دیا جاسکتاہے، یہ دینی تدبیریں ہی دراصل حقیقی تدبیریں ہوتی ہیں، مسلمان اگر ان پر صحیح طورپر عمل پیرا ہوجائیں تواللہ ظاہر ی اورمادی تدبیروں کی بھی شکلیں پیدا فرماتاہے، پھر یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ہر صاحب ایمان اس ان تدبیروں کی ضرورت کا قائل ہے، کسی کے لیے اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ، اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر عمل کے لیے کسی سرمائے ،کسی نظم وانتظام ، اورپروگرام کی ضرورت نہیں،

ہر کوئی بآسانی اپنی ذاتی توجہ سے ان پر عمل کرسکتاہے، اور اپنی بساط بھر دوسروں کو بھی متوجہ کرسکتاہے، ان باتوں میں ہر حال میں خیر ہی خیر ہے:

یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند : بہار ہو کہ خزاں........ لاالہ الا اللہ

بلاشبہ اسلام نے اعمال کے ساتھ اسباب کا بھی پابند کیا ہے ، قرآن کریم میں جگہ جگہ روحانی تدبیروں کے ساتھ ساتھ مادی اسباب اور ظاہری تدبیریں اختیار کرنے پر بھی زور دیا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ میں باطنی اورمادی و ظاہری تدبیریں پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں، مگر قرآن کریم نے ظاہری تدبیروں کی کوئی متعین صورت نہیں رکھی ہے، بلکہ حالات وزمانہ کے لیے لحاظ جو شکل موزوں اورمفید نظر آئے وہ اختیار کی جائے گی، اور اس باب میں کوئی مشورہ یا لائحہ عمل وہی پیش کرسکتاہے جسے کتاب وسنت کے گہرے علم کے ساتھ ملک وقوم اور زمانہ کے حالات سے بھی گہری واقفیت اوربصیرت بھی ہو۔

دعا ہے کہ امت کے جو رجال کار امت کی قیادت کا فریضہ انجام دے رہیں اللہ تعالی ان پر صحیح راہ عمل کھول دے، اور قوم و ملت کی صحیح قیادت ورہنمائی کی توفیق عطا فرمائے ، رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ، اور توفیق الہی و تائید ربانی سے مالا مال غیر معمولی صلاحیت وبصیرت کے حامل ایسے بندوں کو کھڑا کرے جنھیں اللہ نازک اورمشکل گھڑیوں میں امت کی گلو خلاصی اورنجات کے لیے منتخب کرتا ہے اور ان کے ذریعہ دین وملت کی قیادت کا فریضہ انجام دلواتاہے، امت سخت انتشار اور بے اطمینانی کے دورسے گذر رہی ہے اورزمانے کو پھرسے نئ شیرازہ بندی کا انتظار ہے، رَبَّنَا اجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ، آمین یارب العالمین!

بقلم: محمد اجمل قاسمی استاد تفسیروادب مدرسہ شاہی مرادآباد۔

بروز دوشنبہ بتاریخ:4جمادی الاخری1442 مطابق :18 جنوری2021

یوم جمہوریہ کا پیغام

بقلم :- مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی

کسی بھی ملک اور باشندگان ملک کیلئے آزادی کسی نعمت سے کم نہیں ہوتی۔ ہمارے ملک کی آزادی میں جہاں ہر مذہب کے ماننے والوں کی قربانیاں شامل ہیں۔ وہیں جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کی سرگرم شمولیت اور قربانیاں بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔

ہندوستان کو طویل جدوجہد کے بعد آزادی کی نعمت حاصل ہوئی، جس کے لیے ہمارے اسلاف نے زبردست قربانیوں کانذرانہ پیش کیا، جان و مال کی قربانیاں دیں، تحریکیں چلائیں تختۂ دار پر چڑھے، پھانسی کے پھندے کو جرات وحوصلہ اور کمال بہادری کے ساتھ بخوشی گلے لگایا، قیدو بند کی صعوبتیں جھیلیں اور حصولِ آزادی کی خاطر میدانِ جنگ میں نکل پڑے، آخر غیر ملکی (انگریز) ملک سے نکل جانے پر مجبور ہوئے۔

۱۵ / اگست ۱۹۴۷ء کو مجاہدین آزادی کی ناقابل فراموش جدوجہد اور بے مثال قربانیوں کے بعد ہمارا یہ ملک آزاد ہوا۔ ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد ہمیں آزادی جیسی عظیم نعمت ملی۔

ہمارے ملک ہندوستان کا شمار دنیا کے سب سے بڑے جمہوری ملکوں میں ہوتا ہے، 26 جنوری 1950ء میں ہندوستان نے اپنے لئے جو دستور طے کیا اس کے آغاز میں ایک بہت خوبصورت جملہ لکھا گیا ہے: "ہم ہندوستانی عوام تجویز کرتے ہیں کہ انڈیا ایک آزاد، سماجوادی، جمہوری ہندوستان کی حیثیت سے وجود میں لایا جائے جس میں تمام شہریوں کے لئے سماجی، معاشی، سیاسی انصاف، آزادئ خیال، اظہار رائے، آزادئ عقیدہ ومذہب

وعبادات، مواقع اور معیار کی برابری، انفرادی تشخص اور احترام کو یقینی بنایا جائے اور ملک کی سالمیت و یکجہتی کو قائم ودائم رکھا جائے گا" یوم جمہوریہ کے دن ملک بھر میں ہر جگہ جشن جمہوریہ کا پروگرام منعقد کیا جاتا ھے، ترانے پڑھے جاتے ہیں، راشٹریہ گیت گایا جاتا ہے، سیکولرازم کے عنوان سے بیانات ہوتے ہیں، ہندوستان میں جمہوریت کی بقا رہنی چاہیئے ہر ہندوستانی کو اپنے مذہب اور عقیدہ کی مکمل آزادی ہونی چاہیئے سب کو رہنے سہنے اور کھانے پینے کا مکمل اختیار ہونا چاہیئے، ہر ہندوستانی کو ہندوستان کا ایک شہری ہونے کے ناطے جو سہولیات ملنی چاہئیں وہ ہر ہندوستانی کو ملنی چاہیئے، اقلیتوں کے ساتھ انصاف، ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور ہندوستان کے دوسرے تمام مذاہب کے ماننے والوں کا آپس میں اتحاد واتفاق اور اخوت بھائی چارگی کے ساتھ رہیں، ملک کی تمام شرور وفتن سے حفاظت اور دیش کی ترقی کے لیے ہمیں بھرپور کوشش کرنی چاہیئے.

ہندوستانی جمہوریت کیا ہے؟

یعنی ایک جماعت کی لیڈرشپ وہ بھی عوامی طریقے سے یعنی عوام نمائندے بن کر آنے کے بعد اس کا اصل معنی عوام کی حکومت عوام آقا ہوتے ہیں جو ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ انتخاب کے ذریعہ یہ جماعت (پارٹی)اقتدار پر آتی ہے اور سارے ملک کا نظام چلاتی ہے۔جمہوریت آزادی مساوات قانون کی قومیت اور انفرادی ترقی کو زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ذات کا بھید بھاؤ بھٹک ہی نہیں سکتا اس جمہوری نظام کے تحت قانون کی بہت اہمیت ہے۔کیونکہ عام وخواص لیڈروں نیتا سبھی قانون کے دائرے میں آتے ہیں، قانون کی نظر میں سب برابر ہے۔

پہلے ملک کی آزادی کے حصول کی خاطر اور بعد ازاں جمہوریت کے قیام کیلئے ملک کے

مسلمانوں اور علماء کرام نے جو کارہائے نمایاں انجام دیا۔جس انداز میں یہاں کے مسلمانوں کی جاں فشانی، حریت، شہادت اور قربانیاں شامل تحریک رہیں۔ اُن کی بنیاد پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہاں کے مسلمان آزادی کے حصول اور جمہوریت کے قیام کی تحریک میں ہراول دستہ کے طورپر شامل رہے۔ کیونکہ ملک کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار ایک قائد ،لیڈراور رہنماء کے رہی، بایں وجہ کہ ظالم انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے غصب کیا تھا۔ یک لخت اسے حاکم سے محکوم بننا پڑا تھا۔ اس لئے غلامی کے داغ کو مٹانے کیلئے اصل لڑائی بھی انہیں کو لڑنی پڑی تھی۔

دورِ فرنگی سے نجات حاصل کرنے کے بعد مجاہدین آزادی نے یہ ضروری سمجھا کہ جمہوری طرز حکومت کے قیام کیلئے ایک متوازن اور جامع آئین مرتب کیاجائے۔چنانچہ اس وقت کے بااثر اور دوراندیش قانون ساز افراد کی ایک ٹیم کو ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی قیادت میں آئین سازی کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔ جس کی تیاری کے بعد اِسے دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کیا گیا۔یوں قانون ساز اسمبلی نے ۲۶/ جنوری ۱۹۵۰ء کو جمہوریہ ہند کے آئین کے نفاذ کو ہری جھنڈی دی۔ اس طرح ۲۶/ جنوری۱۹۵۰ء کو باضابطہ دستور ہند کا نفاذ عمل میں آگیا۔تب سے اب تک جمہوری طرز حکومت ہمارے یہاں قائم ہے۔

ملک کا آئین

ہمارے ملک کو آبادی کے لحاظ سے بھی دنیا کی سب سے بڑی پارلیمنٹری اور غیر مذہبی جمہوری ملک ہونے کا شرف حاصل ہے۔ہمارے ملک کا آئین ایساجامع اور مکمل ہے ۔جس میں ملک میں بسنے والے شہریوں کو اپنی حکومت منتخب کرنے کیلئے بااختیار بنایا گیاہے۔ہر ایک کو آزادی رائے اور آزادی خیال کی مکمل اجازت دی گئی ہے۔ اس کی شخصی تحفظ کی

بھی ضمانت دی گئی ہے۔ دستور ہند میں ملک میں بسنے والے اقلیتوں اور پسماندہ لوگوں کو بھی پوری پوری آزادی دی گئی ہے کہ وہ اپنی تہذیب وتمدن اور اپنی ثقافت کی ترویج واشاعت کیلئے علیحدہ اسکول، کالج، انسٹی ٹیوٹ قائم کریں۔ دستور میں دیئے گئے حق سے فائدہ اٹھائیں اور ملک کی تعمیر وترقی میں بھرپور کردار ادا کریں۔

جدوجہد آزادی میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ قربانیاں دیں لیکن ان کی قربانیوں کو جان بوجھ کر چھپا دیا گیا یا عوام کی نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔ چلئے سچائی جاننے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ہندوستانی تاریخ میں جھانک کر دیکھتے ہیں۔

یوم جمہوریہ ہم کیوں منائیں؟

آج یہ سوال ہمارے ہر ہندوستانی کے ذہن میں گردش کرتا ہے کہ ہم یوم جمھوریہ کیوں منائیں؟ تو اس کا جواب یہ ھے کہ ماضی میں ہمارے علماء کرام نے جنگ آزادی میں جو عظیم قربانیاں پیش کی ہیں انہیں کو نسل نو تک پہنچانے اور ان کی عظیم قربانیوں کو یاد کرنے کے لیے ہم یوم آزادی اور یوم جمہوریہ مناتے ہیں۔

سرزمینِ ہند کو مسلمانوں نے اپنے خون سے سینچا ہے۔ مسلمانوں نے گلشنِ ہند کی اپنے لہو سے آبیاری کی ہے اور یہ لہو اتنا زیادہ ہے کہ اس زمین کے ذرّے ذرّے سے ہمارا لہو مہکتا ہے، ہماری قربانیوں نے اس ملک کی آن بچائی ہے، ہماری محبت نے اس گلشن کی شان بڑھائی ہے۔ ہمارے اسلاف نے اس ملک کی آزادی کے لئے تحریکیں چلائیں، قیدوبند کی صعوبتوں کو برداشت کیا، کمالِ جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے تختۂ دار پر چڑھ کر بخوشی پھانسی کے پھندے کو گلے سے لگایا، لاکھوں جانوں کا نذرانہ پیش کیا تب کہیں جا کر اس ملک کو انگریزوں کے پنجۂ غلامی سے آزادی ملی اور یہ ملک آزاد ہوا۔

ہر ہندوستانی کو ان ناقابل تردید حقائق کے بارے میں باخبر ہونا چاہئے اور اپنے بچوں کو بھی ملک کی تحریک آزادی کی حقیقت سے واقف کرانا چاہئے۔ یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہرہندوستانی کو جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں سے واقف کروائیں۔
ہندوستان پر انگریزوں کے غاصبانہ قبضہ اور پھر ان کے خلاف جدوجہد آزادی کے آغاز کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پہلی جدوجہد آزادی حیدر علی اور ان کے فرزند ٹیپو سلطان نے 1780 ء میں شروع کی اور 1790 ء میں پہلی مرتبہ فوجی استعمال کے لئے حیدر علی و ٹیپو سلطان نے میسوری ساختہ راکٹس کو بڑی کامیابی سے نصب کیا۔ حیدر علی اور ان کے بہادر فرزند نے 1780 ء اور 1790 ء میں برطانوی حملہ آوروں کے خلاف راکٹیں اور توپ کا مؤثر طور پر استعمال کیا۔
ہندوستان میں ہر کوئی جانتا ہے کہ رانی جھانسی نے اپنے متبنیٰ فرزند کے لئے سلطنت و حکمرانی کے حصول کی خاطر لڑائی لڑی لیکن ہم میں سے کتنے لوگ یہ جانتے ہیں کہ بیگم حضرت محل پہلی جنگ آزادی کی گمنام ہیروئن تھیں جنھوں نے برطانوی چیف کمشنر سر ہنری لارنس کو خوف و دہشت میں مبتلا کردیا تھا اور 30 جون 1857 ء کو چن پاٹ کے مقام پر فیصلہ کن جنگ میں انگریزی فوج کو شرمناک شکست سے دوچار کیا تھا۔
کیا آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کی پہلی جنگ عظیم کو کس نے منظم کیا تھا اور اس کی قیادت کس نے کی تھی؟ اس کا جواب مولوی احمد اللہ شاہ ہے جنھوں نے ملک میں پہلی جنگ آزادی منظم کی تھی۔ جدوجہد آزادی میں بے شمار مجاہدین آزادی نے اپنی زندگیوں کا نذرانہ پیش کیا جن میں 90 فیصد مسلم مجاہدین آزادی تھے۔ برطانوی راج کے خلاف سازش کے الزام میں اشفاق اللہ خاں کو پھانسی دی گئی۔ اس طرح وہ انگریز حکومت کے

خلاف جدوجہد کی پاداش میں پھانسی پر چڑھ جانے والے پہلے مجاہد آزادی بن گئے۔ جس وقت اشفاق اللہ خاں کو پھانسی دی گئی اُس وقت ان کی عمر صرف 27 سال تھی۔
کوئی بھی مسلم مجاہدین آزادی کی تحریک آزادی میں قربانیوں پر ہزاروں صفحات تحریر کرسکتا ہے لیکن بد قسمتی سے فرقہ پرست، انتہا پسند، فاشسٹ طاقتوں نے اس سچائی و حقیقت کو عام ہندوستانیوں کی نظروں سے چھپائے رکھا اور اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ہندوستان کی تاریخ کی کتب میں تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ووٹوں کے حصول کی خاطر اور عوام کو منقسم کرنے تاریخ کو توڑ مروڑ کر از سرنو قلمبند کیا گیا۔ محب وطن ہندوستانیوں کو ناپاک عزائم کے حامل سیاستدانوں کی مکاریوں و عیاریوں کا شکار نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ایک مضبوط و مستحکم اور ترقی پسند ملک کے لئے تمام شہریوں کو متحد کرنے کے لئے کام کرنا چاہیئے، آج جمہوریت کو بچانے کی ضرورت ھے۔ جمہوریت کی بقاء میں ملک کی سالمیت ھے، اور جب ملک سلامت رھے گا تو عوام بھی چین وسکون کی سانس لیں گے۔

وطن کے عزیزو! یہ آزادی ہمیں بھیک میں نہیں ملی ہے، ہمارے بزرگوں نے اپنی جانیں قربان کر کے اس کی قیمت ادا کی ہے۔ اس لئے ہمیں آزادی کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت کو سمجھنا چاہیئے اور آپس میں پیار ومحبت بھائی چارگی اور امن و سکون کو بڑھاوا دینا چاہیئے اور ایسی فضا پیدا کرنی چاہیئے جس سے ہمارے ملک کا نام روشن ہو اور اس وقت ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ کس طرح ہمارے عظیم رہنماؤں نے اپنی جانوں کی قربانیاں دے کر ملک کو آزاد کرایا تھا۔

ہمیں یاد رکھے جب لکھیں تاریخ گلشن کی : کہ ہم نے بھی جلایا ہے چمن میں آشیاں اپنا

تقریباً ایک صدی تک چلنے والی تحریکِ آزادی میں مسلمانانِ ہند نے بے مثال اور لازوال کردار ادا کیا اور وطنِ عزیز کو غاصب انگریزوں کے پنجۂ ظلم اور باشندگانِ ہند کی گردنوں کو طوقِ غلامی سے آزاد کروانے کے لئے اپنی جان و مال، عزت و آبرو کی وہ عظیم قربانیاں پیش کیں جن کا تذکرہ کئے بغیر تاریخِ ہند نامکمل ہے۔

کچھ فرقہ پرست طاقت جمہوری نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں انہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔

شمع جمہور کی لو کم نہیں ہونے دیں گے
مادر ہند کا سر خم نہیں ہونے دے گے
لاکھ اشکوں سے ....نوازے دنیا لیکن
اے وطن! آنکھ تیری نم نہیں ہونے دیں گے

یوم جمہوریہ اور دعوت فکر!

بقلم :- مولانا محمد صابر القاسمی

ہندوستان کو غلامی کی زنجیر سے آزادی دلانے میں ہمارے ملک کے جیالوں، ویروں، بہادروں اور سرفروشوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں، بڑی کوششوں، کاوشوں اور جانفشانیوں کے بعد ہندوستان 15/اگست 1947/کو آزاد ہوا، آزادی کی جنگ عوامی اور قومی جنگ تھی، اس میں ہندو مسلم سبھی شریک تھے اور اس ملک میں مختلف تہذیبوں اور مذہبوں کے ماننے والے سینکڑوں سال سے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتے آئے ہیں اس لئے اس ملک کے لئے آزادی کے بعد ایسے قانون اور دستور کی ضرورت تھی جس میں سب کے مذاہب اور رسم ورواج کا لحاظ ہو، ہر ایک کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم ہوں، ذات مذہب کی بنیاد پر کسی کے ساتھ کوئی سوتیلا برتاؤ نہ ہو، جمہوری طرز حکومت کو اس کے لئے مناسب سمجھا گیا اور اس کو اختیار کیا گیا، ہمارے ملک میں 1935/سے جو برطانوی قانون نافذ تھا وہ 26/جنوری 1950/کو ختم کر دیا گیا اور بھارتی جمہوری نظام نافذ ہوا، اس دستور کی تیاری میں تین سال لگے اور تین کروڑ روپئے خرچ ہوئے، یوم جمہوریہ کو ایک قومی تیوہار کے طور پر پورے ملک میں منایا جاتا ہے۔

ملک آزاد بھی ہوگیا، اپنا جمہوری نظام بھی نافذ ہے، پچھلے ستر سالوں سے یوم آزادی اور یوم جمہوریہ ہم منا بھی رہے ہیں، آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کے احوال کا جائزہ بھی لینے کی ضرورت ہے، شاید دونوں حالتوں میں بہت زیادہ فرق نظر نہ آئے، آزادی سے پہلے ہندوستانی اپنے حقوق کے لئے غیروں سے بر سر پیکار تھے، ان کے مظالم کا شکار

تھے آزادی کے بعد اپنوں کی زیادتی کی نشانہ بنے ہوئے ہیں، اپنے جائز مطالبات منوانے کے لئے کڑاکے کی سردی میں کھلے آسمان کے نیچے سڑکوں پر رات گزارنے پر مجبور ہیں اتنا ہی نہیں ان پر آبی گولے بھی برسائے جاتے ہیں، ایک خاص مذہب کے ماننے والوں کو درانداز ثابت کرکے ملک سے باہر نکالنے کی اسکیم بروئے کار لانے کی درپردہ تیاری ہورہی ہے، جمہوری نظام جن مقاصد کے تحت قائم کیا گیا تھا شاید انہیں ہمارا ملک حاصل نہیں کر سکا، بد قسمتی سے,,لڑاؤ اور حکومت کرو،، کی جو پالیسی انگریزوں نے اپنائی تھی وہی پالیسی آزادی کے بعد سیاسی جماعتوں نے اپنائی، کسی نے اعلانیہ طور پر تو کسی نے خفیہ طورپر، مذہبی اشتعال انگیزی اقتدار کی کرسی تک رسائی کا آسان ترین حربہ ہوگیا ہے، اس سے بلا تفریق سب کا نقصان ہے، مہنگائی بڑھتی ہے تو مخصوص لوگوں کے لئے نہیں، بےروزگاری بڑھتی ہے تو مخصوص لوگوں کے لئے نہیں، فسادات ہوتے ہیں تو جانی مالی نقصان سبھی کو اٹھانا پڑتا ہے، سیکولر ملک میں نمائندوں کا انتخاب جب تک ذات برادری اور مذہب کے نام پر ہوگا ملک ترقی نہیں کر سکتا، جمہوریت کو,, عوام پر عوام کی حکومت،، سے تعبیر کیا جاتا ہے، جمہوریت وہ طرز حکومت ہے جس میں عوام اپنے نمائندے منتخب کرکے نظام حکومت انہیں سونپ دیتے ہیں، کسی جمہوری ملک کے باشندوں کی سوچ، فکر، ان کے شعور، ان کی وسعت ظرفی اور تنگ نظری کا اندازہ ان کے ذریعے منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے احوال سے، ان کے چال چلن اور رہن سہن سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، آج اگر ہم تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ملازمت کے لئے دھکے کھارہے ہیں، پکوڑے بنانے کے مشورے مل رہے ہیں، سڑکوں پر اپنے حقوق کے لئے لاٹھیاں کھارہے ہیں، مہنگائی کی مار جھیل رہے ہیں تو اس کے ذمہ دار ہم خود بھی ہیں، یوم جمہوریہ کے اس اہم اورخوشگوار لمحے پر اس نکتہ پر غور و فکر وقت کا تقاضا بھی ہے ورسلگتے ماحول کی صدا بھی۔

حسن جمہوریت مبارک ہو

بقلم :- مفتی محمد اجوداللہ پھولپوری

کچھ "الٹا سیدھا" فرض کروں
کچھ " سیدھا الٹا " ہو جائے

آج سے ستر سال پہلے 26/ جنوری 1950 کو بابا بھیم راؤ امبیڈکر کی محنت و لگن اور انکی ہفت رکنی ٹیم کے تعاون و مدد سے پوری آب و تاب کے ساتھ ملک عزیز میں جمہوریت کی ولادت باسعادت ہوئی ملک میں خوشیوں کا ماحول بنا پٹاخے پھوٹے پھلجڑیاں چھوٹیں سہ رنگوں نے یک رنگ ہوکر جمہوریت کی قصیدہ خوانیاں کیں جمہوریت، معصوم سی جمہوریت ، ننھی سی جمہوریت،پیاری سی جمہوریت اتراتی رہی پھر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا جمہوریت جوان ہوتی گئی جیسے ہی اس نے بچپنے سے دوشیزگی کی دنیا میں قدم رکھا اسکا حسن اور بھی نکھر گیا آج ستر سالوں کے بعد اس کا حسن پورے آب وتاب کے ساتھ اپنے چاہنے والوں سے اٹھکیلیاں کررہا ہے یہ اسی کے حسن ہی کا کرشمہ ہیکہ اس کے چاہنے والے اس بات سے بے پروا کہ کسے کتنا نوازتی ہے اس کے حسن کے قصیدہ میں رطب اللسان ہیں واقعی جمہوریت بہت حسین ہے بہت خوبصورت ہے اور ساتھ ہی مستغنی بھی اس کی شان استغناء نے نا یہ کہ اس کے حسن کو دوبالا کردیا بلکہ اپنے چاہنے والوں کو مسحور بھی کردیا - یہ اس کے حسن و استغناء ہی کا سحر ہیکہ ایک ہی الزام کے ملزم دو افراد دریا کے دو کناروں پہ کھڑے اس کی شان میں قصیدہ خواں ہیں یہ اس کے

حسن کا ہی جادو ہیکہ ایک الزام جب کنہیا کمار پہ لگا تو اسے سیاسی میدان کا ہیرو بنا گیا اور اسی الزام کا ملزم عمر خالد سلاخوں کے پیچھے اس کی محبت کا اسیری ہے یہ اس کی شان استغناء ہی تو ہے کہ مسجد توڑ کر اپنی ہی بنیادوں کو ہلا دینے والوں کو شیرینی کھلاتی ہے اور مسجد والوں کو مسجد فروشی پر ابھارتی ہے یہ اسکے حسن کا جادو ہی تو ہے جو دہشت گردی کے جرم میں گرفتار سادھوی پرگیہ سنگھ کو ملک کے سب سے بڑے گھر یعنی اپنی جائے پیدائش کا باشی (ایم پی) بنادیتی ہے تو اسی الزام میں گرفتار طارق قاسمی کو کئی سالوں سے پابند سلاسل رکھتی ہے یہ اسی کی غزالی آنکھوں کی اثر انگیزی تو ہے جو عصمت دری کرنے والوں (کٹھوا) کو پھولوں کی مالا پہناتی ہے یہ اسی کی حسین زلفوں کی زنجیر تو ہے جو فسادزدگان(دہلی) کو گرفتاری کی سوغات دیتی ہےتو فسادیوں کے گلے کا ہار بنتی ہے یہ اسی کا حسن کرشمہ ساز ہی تو ہے جو ملک کے سب سے عظیم ادارہ کو اقلیتوں کے معاملہ (NRC) میں دخل اندازی سے روکتی ہے تو وہیں اکثریتوں کے لئے (کسان آندولن) اسی ادارہ کو از خود تحفظات کو یقینی بنانے کیلئے ابھارتی ہے یہ اسی کے لب ورخسار کی سحر آمیزی تو ہے جو اقلیتوں کے حقوق طلب کرنے پر گولیوں سے استقبال کرتی ہے(اتر پردیش) اور گوشت کے نام پر اپنے ہی عاشق (اخلاق) کو بلی چڑھواتی ہے خیر اسکے استغناء اور حسن کے ماروں کی ایک لمبی فہرست ہے کس کس کو گنایا جائے اور کس کس کو چھوڑا جائے چھوڑیئے جانے دیجئے انکھیں بند کریئے اور آپ بھی اسکے حسن سحر انگیزی کے شکار ہوجایئے جو مزہ معشوقہ کے ہاتھوں شکار ہونے میں ہے وہ زندہ اور آزاد رہنے میں کہاں؟

کف افسوس ملنا چھوڑیئے معشوقہ کے گلے لگئے اور لبوں پہ یہ نعرہ سجائے دنیا سے رخت سفر باندھتے رہیئے کہ جمہوریت زندہ باد حسن جمہوریت پائندہ باد

خیر آپ سبھی کو یوم جمہوریہ کی ڈھیروں ڈھیروں ڈھیروں مبارکباد

قفس آمریت میں شکستہ جمہوریت

بقلم :۔مفتی شرف الدین عظیم قاسمی الاعظمی

ملکوں کی تقدیریں عوام کی علمی ترقی،اس کے سکون واطمینان اوراس کی مذہبی،تمدنی بقا، سیاسی سالمیت اور اس کے امن و امان سے بدلتی ہیں، اس کی معاشی ارتقاء باشندگان ملک کی خوشحالی پر موقوف ہوا کرتی ہے، اس کا استحکام رعایا کے ساتھ انصاف ومساوات اور اس کے حقوق کے تحفظ اور پاسداری پر مبنی ہے، جس ملک میں حاکمیت انصاف کی راہ پر ہوتی ہے ،اس کا خمیر اقوام وملل کی خدمات کے خمیر سے اٹھتا ہے، مساوات وبرابری اور منصفانہ قانون وآئین کا تصور جس ملک میں ہر فرد کے لئے یکساں ہوتا ہے، وہ ملک علمی ترقی ، اقتصادی خوشحالی کا نمونہ اور زندگی کے تمام شعبوں میں عروج کا زینہ طے کرتا چلا جاتا ہے، ملک جنت نشاں اور خطے اور علاقے شاداب ہوجاتے ہیں۔

اس کے برخلاف حاکمیت کی جو عمارت مذکورہ اوصاف کے برعکس تعصب ونفرت،بغض وعناد، ظلم وبربریت اورامتیاز وتفریق کی اینٹوں پر تعمیر ہوتی ہے اس کا کوئی مستقبل ہوتا ہے نہ ہی استحکام، وہ جنگلوں میں وحشیوں اور درندوں کی طرز زندگی کا بدترین مظہر ہوتا ہے ، یہی وجہ ہے کہ دنیا نے بہت تیزی کے ساتھ حکومت وآمریت کی فضا سے نکل کر جمہوریت طرف رخ کیا، کہ بہت ساری خامیوں کے باوجود اور بہت سی خرابیوں کے باوصف انسانی آزادی اورمذہب وعقائد اور طرز زندگی اور تہذیب وثقافت کے حوالے سے آزادی کی تصویریں اس نقشے میں بہرحال واضح طور سے نظر آتی ہیں۔

اس دنیا میں جمہوری نظام چونکہ مطلق العنان بادشاہت اور ملوکیت کے جابرانہ نظام کے رد عمل کا نتیجہ ہے اس لیے اس کی ابھی تک کوئی جامع تعریف نہ ہوسکی، تاہم مشہور تعریف امریکی صدر ابراہام کے لفظوں میں یہ ہے کہ
،،جمہوریت ایسا نظام ہے جس میں عوام کی حکمرانی،عوام کے ذریعے،عوام پر ہوتی ہے،،
جمہوریت کا لفظ درحقیقت انگریزی لفظ،،Democracy کا ترجمہ ہے اس کا مطلب وہی ہے جس کی اوپر تشریح کی گئی ہے کہ اقتدار اور حاکمیت اصلا جمہوریت میں عوام کی ہوتی ہے'۔۔اس نظام کا آغاز پہلے یونان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کم وبیش پانچ سو نو سال پہلے ہوا،،اسے ایک سیاسی نظام سے تعبیر کیا گیا اور اسے یورپ کی سیاسی حکمرانی کی تاریخ کی پیشانی کا جھومر کہا گیا،جس پر یورپ کو ناز ہے' یہ نظام چھوٹی چھوٹی دیہات کی آبادیوں میں نافذ تھا دیہات سے شہروں تک اس نظام کے آتے آتے جمہوریت مطلق العنان بادشاہت میں بدل گئی،تفصیل اس کی یہ ہے'کہ،، جمہوریت کا یہ تصور یونان کے چھوٹے چھوٹے مواضعات اور علاقوں میں رائج تھا،اور ہر علاقہ ایک مستقل ریاست تھی، وہاں جمہوری حکومت کے انتخابات کا طریقہ یہ تھا کہ بادشاہ خاص بڑے بڑے فیصلوں کے سلسلے میں عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے ساری آبادی کو اکٹھا کرلیتا تھا اور ان سے اپنی پالیسی کے بارے میں رائے معلوم کرکے اس کو قانونی شکل دیتا تھا،جب سلطنت بڑے پیمانے پر ہوئی اور آبادیوں میں وسعت پیدا ہوئی تو یہ صورت اب ممکن نہیں رہی اس لئے اس کی تلافی کے لئے مخصوص شوری اور کونسل وجود میں آئی اور عوام کو پالیسیوں میں حصہ دار بنانے کی روش ترک کرکے عملاً اسے حکومت سے دور کردیا گیا اور پھر مطلق العنان حکمرانی کے باعث جمہوریت کا تصور بھی یونان سے ختم

ہو گیا (مستفاد از اسلام کا سیاسی نظریہ مفتی تقی عثمانی ص 83) اٹھارویں صدی میں دوبارہ اس نظام نے دوبارہ کروٹ لی، اس کی نشأۃ ثانیہ ہوئی، اور کلیسا کے جبر و استبداد کے نتیجے میں ایک منظم اور مضبوط شکل میں رونما ہو کر اس عہد کے پسندیدہ اور مقبول سیاسی نظام کی حیثیت اختیار کر لی، جس نے کم از کم انسانیت کو ڈکٹیٹر شپ، آمریت، اور کلیسا کے ظالمانہ اور وحشیانہ نظام سے نجات دلائی۔

بھارت میں جمہوریت کا سورج 1950 میں آزادی کے دو سال بعد طلوع ہوا، 1935/ میں انگریزی حکومت کا بنایا ہوا ایکٹ جو ملک میں نافذ تھا منسوخ ہو کر 26/ جنوری 1950/ کو دستور ہند کا نفاذ عمل میں آیا، اور دنیا میں ایک بڑے جمہوری ملک کی صورت میں ابھرا،،، کیبنٹ مشن پلان کے مطابق نومبر 1946/ میں حصول آزادی سے پیشتر ہی قانون ساز اسمبلی وجود میں آئی اس کے ارکان کو بالواسطہ انتخاب کے ذریعے منتخب کیا گیا، برٹش انڈیا کی 296/ نشستوں میں سے 211 نشستوں پر کانگریس اور 73/ نشستوں پر مسلم لیگ کی فتح ہوئی اس طرح اسمبلی نے ایک خود مختار ادارے کی شکل اختیار کر لی جو اپنی مرضی کے مطابق اپنا پسندیدہ آئین وضع کر سکتی تھی اسمبلی کا پہلا اجلاس 9/ دسمبر 1946/ کو ہوا، 11/ دسمبر 1946/ کو ڈاکٹر راجندر پرساد اس کے چیئرمین منتخب ہوئے، 15/14 اگست 1947/ کی درمیانی شب میں آئین ساز اسمبلی کے اجلاس میں وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا گورنر جنرل منتخب کیا گیا، آئین کو وضع کرنے کے لئے بہت سی کمیٹیاں تشکیل دی گئیں ان کی رپورٹ کی بنیاد پر ڈاکٹر امبیڈکر کی چیرمین شپ میں 19/ اگست 1947/ میں ایک ڈرافٹنگ کمیٹی وجود میں آئی، فروری 1948/ میں اس قانون کا مسودہ شائع کیا گیا، 26/ نومبر 1949/ کو آئین کی منظوری دے دی گئی، اور 26/

جنوری 1950 / کو اسے ملک میں نافذ کر دیا گیا (برقی میڈیا تحریر عطاء الرحمن) اس دستور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر لحاظ سے فرد، قوم، اور ملک کے مفادات کا خیال رکھا گیا ہے اور ملک کے تمام باشندوں کے مذہبی، قومی ، نظری، تمدنی و تعلیمی اور معاشی وسیاسی حقوق کا تحفظ فراہم کیا گیا ہے، خاص طور سے ذیل کی دفعات جو جمہوریت کی روح ہیں لائق مطالعہ ہیں

(1) آئین ہند نے ہندوستانی عوام کو خود اپنی حکومت منتخب کرنے کے لئے خود مختار بنایا ہے اور ہندستانی عوام کو سرچشمہ اقتدار و اختیار مانا ہے جسے صاف الفاظ میں دستور کی تمہید میں ذکر کر دیا گیا ہے

(2) دستور نے پارلیمانی طرز کی جمہوریت کے سامنے کابینہ کو اپنے فیصلے، قانون سازی، اور اپنی پالیسی کے لئے جواب دہ بنایا ہے اور تمام باشندے بلا تفریق مذہب وملت ایک مشترکہ جمہوریت میں پرو دیئے گئے ہیں۔

(3) جمہوریت میں مذہب کی اہمیت کا بھی اعتراف کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ ملک مذہب کی بنیاد پر حکومت نہیں کرے گا، دستور کی 42ویں ترمیم کی رو سے اسے،، سیکولر اسٹیٹ،، کہا گیا ہے ، جہاں ہر مذہب کا احترام ہو گا، اور مذہب کی بنیاد پر کسی قسم کا کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا

(4) مذہب یا ذات پات کی بنیاد پر کسی شہری کو شہریت کے حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا اور ہر شہری کو ملکی خدمات سے متمتع ہونے اور فائدہ اٹھانے کا پورا موقع ملے گا

(5) آئین کی رو سے ہر ہندستانی قانون کی نگاہ میں برابر ہے۔

(6) ہر شہری کو آزادی رائے، آزادی خیال اور آزادی مذہب حاصل ہے۔

(7) اقلیتوں کو بھی دستور میں ان کا حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے علحدہ تعلیمی ادارے قائم کریں، اپنی تہذیب وتمدن اور زبان کو قائم رکھیں، اور اپنے مذہب کی اشاعت کریں، اس غرض کے لیے اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کا انتظام کریں، ساتھ ہی یہ صراحت بھی کی گئی کہ کسی ایسی آمدنی پر ٹیکس دینے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا، جو کسی مذہب کی تبلیغ واشاعت پر خرچ کیا جائے دوسرے لفظوں میں اوقات، مساجد، مدارس کی جائیداد اور ان کی آمدنی پر ٹیکس نہیں لگایا جا سکتا، اسی طرح شخصی آزادی کا تحفظ متعدد دفعات کے ذریعے کیا گیا ہے۔

(8) قانون کی خلاف ورزی کرنے پر کسی شخص کو صرف اسی وقت سزا دی جا سکتی ہے کہ لگایا گیا الزام، قانون کی نگاہ میں جرم بھی ہو، چنانچہ کسی شخص کو مقدمہ چلائے اور صفائی پیش کئے بغیر کسی قسم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔(مصدر بالا)

دستور کی اس جامعیت اور اس کی عادلانہ ومنصفانہ دفعات نے ہر طرف مسرتوں کے نغمے بکھیر دیئے اور عوام نے ایک عرصے کے بعد چین وسکون کی سانس لی، کہ بے شمار سرفروشان وطن نے جس خوبصورت ملک کا خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر آزاد وخود مختار اور جمہوری ملک کی شکل میں سامنے کھڑی تھی ، یہ ساعت اور یہ روشن تاریخ اہل ہند کے لئے کسی مبارک لمحے سے کم نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ 26/ جنوری کی تاریخ ملک کے لئے ایک یادگار قومی دن قرار پایا، ہرسال اس کی یاد میں چراغاں ہوتاہے، جشن مسرت منعقد ہوتا ہے، شادیانے بجتے ہیں، رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوتی ہیں، آزادی کے قومی نغموں سے فضائیں معمور ہوتی ہیں، سرکاری عمارتوں سے لیکر عوامی حویلیوں اور دیہات کی جھونپڑیوں تک میں ترانے گونجتے ہیں ان کی آرائش ہوتی ہے۔

مگر تزک و احتشام کے یہ سارے مظاہر اور مشعل وچراغ کی یہ ساری شعائیں اس قدر اب پھیکی،بے نور اور بے کیف محسوس ہوتی ہیں، جیسے یہ کسی جشن مسرت کے موقع پر نہیں بلکہ کسی مزار کا دیا یا کسی ماتمی مجلسوں کی شمعیں ہوں، ان کے اجالے داغ داغ اور ان کی کرنیں بے نور ہیں، جشن جمہوریت کے نغمے بے کیف اور اس کے ترانے بے ہنگم ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ قفس میں محبوس طائر خوشنوا کی نغمہ سرائیاں خوشی کا راگ نہیں بلکہ درد وکرب کا مرثیہ ہوا کرتی ہیں، خزاں آشنا گلشنوں میں بلبلوں کا رقص کیف ومستی کا رنگ کہاں لائے، انسانیت کی لاش پر جمہوریت کا جشن اس کے ساتھ استہزا اور مذاق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

اس ملک میں جمہوریت آج کس مقام پر ہے'اس کی کیا حیثیت ہے، وہ کس پوزیشن پر ہے'ہر شخص واقف ہے، ہر فرد جانتا ہے کہ وہ آزادی کے بعد سے ہی وہ زوال کے راستے پر تھی اور ایک دہائی سے تو مکمل شکست وریخت سے دوچار ہے۔ اس قدر روشن دستور جس کی شکستگی کے بارے میں کبھی وطن کے جیالوں کے دل میں خیال بھی نہیں گذرا تھا آج وہ اپنا وجود کھو چکی ہے۔ عملی طور سے اس کی جگہ پر فسطائیت اور آمریت نے لے لی ہے۔ اس دستور کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ یہاں ہر شخص حقوق کے لحاظ سے یکساں ہے،مذہبی یا نسلی امتیازات کی اس میں گنجائش نہیں ہے مگر اول روز سے ہی امتیازی سلوک اور غیر منصفانہ رویہ جاری ہے اور اب تو اس میں اس قدر شدت آئی ہے کہ اس کا پورا ڈھانچہ زیر وزبر ہوکر رہ گیا ہے۔ حکومت عوام کی نہیں بلکہ کچھ خاص اصحاب اقتدار کے لئے مخصوص ہوچکی ہے، جن کا نصب العین اور ہدف یہ تھا کہ اس ملک میں جمہوریت کی عمارت کو زمین بوس کرکے اسے اپنے مخصوص نظریے میں ڈھال

دیا جائے اس کے لئے انھوں نے زمین دوز سازشیں کیں،انتخابات میں دھاندلیاں کیں، حکومت کے تخت کے لئے پانی کی طرح پیسے بہائے، میڈیا کو خرید کر پروپیگنڈوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری کیا، اور مختلف بلکہ بے شمار مکر وفریب کے ذریعے ملک پر قابض ہوکر اپنے نازی ازم کے خاکے میں رنگ بھرنے میں سرگرم ہوگئے۔

جمہوریت کی بڑی خرابی یہ ہے کہ یہاں فیصلے دانشوروں پر نہیں بلکہ اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں اس کی آڑ میں آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کی راہیں اس طرح ہموار کی گئی اور اس کے نتیجے میں اس طرح اقلیتوں کے حقوق سلب کئے گئے کہ انسانیت چیخ اٹھی، ایک مخصوص طبقے کے آمرانہ رویے اور حاکمانہ افعال پر ملک کی فضا مکمل طور پر اضطراب کا شکار ہو کر رہ گئی ہے، دس سالوں میں اقلیتوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف اس طرح ظلم روا رکھا گیا،اس طرح ان کی عزتوں کو پامال کیا گیا،معاشی لحاظ سے اس طرح انہیں زوال کے گڈھے میں دھکیلا گیا، اس انداز سے انہیں اچھوت بنایا گیا،ان کے خلاف ظلم کے وہ ہتھکنڈے استعمال کئے گئے، اس کی مثال ستر سالوں میں نہیں ملتی۔۔ ان پر گوشت کی پابندیاں لگائی گئیں، گائے کے نام پر جگہ جگہ ان کے نہتے اور غریب لوگوں کو عوامی بھیڑ کے ذریعے مارا گیا، دہشت گردی کے نام پر جیلوں میں بند کیا گیا، سیکڑوں نوجوانوں کو پولیس نے دہشت گردی کی آڑ میں گولیوں کا نشانہ بنایا

دفعہ 370 کے نام پر بے شمار کشمیریوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا ان کے علاقوں کو زندانوں میں بدل دیا گیا، بابری مسجد کو منہدم کرنے والوں کو آزاد رکھا گیا اور اس کی اراضی کو عدالت کے مخصوص راستے سے چھین لیا گیا اور ملک کا وہ حکمراں جو جمہوری دستور کے ماتحت ہے وہ خود بنفس نفیس شیلا نیاس میں شریک ہوکر دستور کو تار تار کر ڈالا

جس میں یہ صراحت ہے کہ یہ ملک مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ سیکولر اسٹیٹ ہے،
حکومت کسی مذہب کی نمائندگی نہیں کرسکتی،
ستم یہ ہے کہ جس قوم کے آباؤ اجداد نے اس ملک کی آزادی میں اپنا تن من دھن سب قربان کردیا جنھوں نے وطن کے نام پر دار ورسن کا استقبال کیا،قید خانوں کو جس کے لیے آباد کیا اور اپنے گھروں کو ویران کرڈالا، جن لوگوں نے برٹش گورنمنٹ کی گولیاں کھائیں اور پھانسی کے پھندوں کو خوشی خوشی چوم لیا اور وطن کی حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگائی،اسی کے فرزندوں کو ملک سے نکالنے اور ان کی شہریت چھیننے کی سازشیں تک رچائی گئیں،شہریت ترمیمی بل پاس کردیا گیا،اس کے خلاف عوام اور طلباء یونیورسٹی نے صدائے احتجاج بلند کیا تو انتہائی بے رحمی سے ان پر گولیاں چلا دی گئیں،عورتوں پر لاٹھیوں سے حملے کئے گئے، ان کے خلاف دہشت گردی کا ہوا کھڑا کیا گیااور مسلسل کئی ماہ کے احتجاج کے بعد بھی حکومت اپنے غیر منصفانہ فیصلے کو بدلنے پر راضی نہیں ہوئی، اور اپنے وحشیانہ فیصلے پر قائم رہ کر ثبوت فراہم کیا کہ وہ جمہوریت اور اس کے دستور کی پابند نہیں ہے،اور اصحاب اقتدار کی حکومت عوام کی نہیں بلکہ خود ان کی حکمرانی کے لئے ہے، عوام یا اقلیتوں کے مفادات اور ان کے حقوق کا تحفظ اس سے وابستہ نہیں ہے،
کرونا وائرس کی آڑ میں مسلم کمیونٹی کے ساتھ حکومت کا جو رویہ رہا ہے وہ سب جانتے ہیں، کہ اس وبا کو ہندو مسلم بنا کر مسلمانوں کے خلاف محاذ کھول دیا گیا، یوپی حکومت نے اس حوالے سے فسطائیت اور نازم ازم کے وہ نمونے دکھائے اور نفرت و امتیاز کا وہ خونیں رقص کیا کہ مسولینی کا کردار بھی پھیکا پڑ گیا، مسلمانوں کی دینی جماعت

جس کا سیاست سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے ایک منصوبے کے تحت اس کے مرکز پر چھاپا مار کر یہ باور کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس وبا کے پھیلانے میں ان لوگوں کا ہاتھ ہے، اس منصوبہ بند الزامات کے تحت پورے ملک کے خطوں اور علاقوں میں اس جماعت کے خلاف کریک ڈاؤن کیا گیا، انہیں گرفتار کرکے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا، گویا پورے ملک میں کرونا وائرس انہیں نے جان بوجھ کر پھیلایا ہے' اس گھناؤنے کردار میں یوپی حکومت نے بڑھ چڑھ کر اسی طرح حصہ لیا جس طرح سی اے اے کے خلاف احتجاج کرنےوالے اسٹوڈنٹ اور عوام پر سفاکیت اور بربریت میں پیش پیش رہ کر بدترین اقلیت دشمنی کا ثبوت دیا تھا کہ احتجاجی میدان میں ڈنڈوں لاٹھیوں اور گولیوں سے نشانے پر لے کر بھی عصبیت کی پیاس نہ بجھی تو پروٹسٹ کے بعد چن چن کر مظاہرین کے گھروں پر حملے کئے گئے اور ظالمانہ گرفتاریوں کے ساتھ ساتھ ان کی املاک پر بھی ہاتھ صاف کئے گئے، اور انہیں نیلام کرکے بے قصوروں کو تباہی کے دہانے پر ڈال دیا گیا۔

ملک کی میڈیا وہ پرنٹ ہو کہ الیکٹرانک صداقت کا آئینہ ہوتی ہے'، سچائی کی آواز ہوتی ہے، سماج کی ترجمان ھوتی ہے کہ معاشرے کی تمام ضروریات کو ایوان حکومت تک پہونچانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتی ہے' اسی لیے اسے جمہوریت میں چوتھے ستون کا درجہ دیا گیا ہے' مگر نہ صرف مسلم قوم بلکہ پورے ملک کی بدقسمتی ہے کہ نیشنل میڈیا کی مکمل کائنات پر حکومت کا قبضہ ہے، مال وزر کے عوض میں اس نے صداقت کا سودا کرلیا، اس کی زبانیں بک گئیں، اس کے ضمیر اس کے احساسات اور اس کے فرائض اصحاب اقتدار کی سنہری زنجیروں میں قید ہو گئے

اس کی آواز سماج کی نہیں بلکہ حکمرانوں کی ہوگئی، یہ صداقت کی نہیں بلکہ طاقت وقوت

کی ترجمان بن گئی، یہ انصاف ومساوات نہیں بلکہ نفرتوں کی تجارت میں سرگرم ہوگئی ہے،اس نے مخصوص لوگوں کے اشاروں پر فرضی اخبارات کو وضع کیا اور مسلم کمیونٹی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، بے قصور نوجوانوں کو متعصب خاکی وردی والوں نے گرفتار کر کے دہشت گردی کا ادھر الزام لگایا ادھر میڈیا نے اسے مجرم ثابت کر دیا، کرونا وائرس میں تبلیغی جماعت کے خلاف انھوں نے اسی انداز کا کھیل کھیلا اور پورے ملک میں نفرتوں کے شعلے بھڑکائے، آج بھی یہ اسی روش پر شدت سے گامزن ہے۔

جمہوریت میں قانون ساز ادارے کے ماتحت مقننہ اور عدلیہ کی جو اہمیت ہے'وہ سورج کی طرح عیاں ہے، ملک کی سالمیت اسی ادارے کی صحت پر موقوف ہے'اسی وجہ سے دنیا میں جمہوریت کا تصور دینے والے مونٹیسکو نے اس ادارے کو خود مختار اور انتظامیہ سے بالکل آزاد قرار دیا ہے'تاکہ حکومت مطلق العنان نہ ہونے پائے اور عدالت کے فیصلے حکومتی منشأ کے مطابق نہ ہونے پائیں مگر یہ ملک کے لئے المیہ سے کم نہیں ہے کہ یہ ادارہ بھی موجود اقتدار کے چشم ابرو کے مطابق کام کرتا ہے۔ملک میں اس کی وہ شفافیت جو اس کا طرۂ امتیاز تھی ختم ہوکر داغدار ہوچکی ہے'۔بابری مسجد اور دوسرے بہت سے ججمینٹ اس کا بین ثبوت ہیں، عدلیہ کو یہ تسلیم ہے'کہ برابری مسجد کے نیچے کوئی سراغ نہیں ملا کہ اس کا قیام مندر کی بنیادوں پر تھا،یہ بھی تسلیم ہے'کہ مسجد صدیوں تک موجود تھی اس میں عبادت ہوتی تھی اور اسے ظلما طاقت کے زور پر منہدم کر دیا گیا اس کے باوجود آستھا کی بنیاد پر اس کی اراضی کی تقسیم اور مندر کی تعمیر کی اجازت کون سا جمہوری دستور ہے'یہ سوال ہمیشہ جواب کا منتظر رہے گا۔

چند ماہ قبل ہاتھرس یوپی میں دلت کی عصمت دری اور اس کے قتل کی واردات پر بہت سے میڈیا کے رپورٹر وہاں پہونچے، مگر انہیں جائے واردات پر اور متاثرہ کے اہل خانہ سے ملنے نہیں دیا گیا ان میں ایک رپورٹر کیرلا کا مسلم بھی تھا جو کسی طرح وہاں پہونچا اسے جرم قرار دے کر جیل میں ڈال دیا گیا اس پر شنوائی کے لئے عدلیہ کے پاس وقت نہیں تھا دوسری طرف ارنب گوسوامی کو مہاراشٹر حکومت نے قتل کے ملزم میں گرفتار کیا اور دوسرے دن اس کی سماعت جاری ہوگئی اور وہ رہا بھی ہوگیا۔صحافی یہ بھی تھا اور ہاتھرس میں اپنے فرائض پر مامور کیرلا کا وہ شخص بھی۔مگر دونوں کے درمیان عدالت عظمٰی جیسے باوقار ادارے کی جانب سے اس امتیاز اور متعصبانہ تفریق کو کس طرح جمہوری قانون کا نام دیا جائے،اور کیونکر سپریم کورٹ کے اس عمل کو انصاف کے مطابق قرار دیا جائے، ماضی قریب میں حکومت کی طرف سے سیاہ بل جس نے ادھر سے ادھر تک عوام میں اضطراب کی لہر پیدا کردی تھی، سی اے اے کے خلاف دہلی میں تاریخی مظاہرہ جاری تھا،حکومت کے اس فیصلے کے متعلق جب کورٹ میں فریاد کی گئی تو اس نے دامن جھاڑ لیا اور ظالمانہ شہریت ترمیمی قانون پر روگ لگانے سے انکار کرکے اس قضیہ سے کنارہ کش ہوگئی، اس لیے کہ مظاہرین اس قوم میں سے تھے جو سیاسی لحاظ سے نہایت کمزور اور پست ہے۔

کسان کا حالیہ اندولن بالکل اسی نوعیت کا ہے'جیسا شاہین باغ میں تھا یہ مظاہرہ پوری قوت سے دہلی میں جاری ہے'چھبیس جنوری کو ٹریکٹر مارچ بھی نکالنے کا کسانوں کا ارادہ ہے'جو حکومت کے ہوش اڑا سکتا ہے'کسان مظاہرین کا اصرار ہے کہ حکومت اپنا قانون واپس لے اور اس کا اعلان کرکے اس مقدمے کو سپریم کورٹ میں لے جانے کے لئے وہ بالکل

راضی نہیں ہیں اس کے باوجود عدلیہ فیصلہ سنا رہی ہے'اور عارضی طور پر کسان کے متعلق قانون پر روک لگانے کا حکم جاری کررہی ہے' عدلیہ وہی ہے'قانون بھی وہی ہے'،معاملہ اور کیس بھی اسی طرح کا ہے'مگر کسانوں کے مظاھرے میں سپریم کورٹ خود ان کی حمایت میں ریمارکس پیش کررہی ہے'جبکہ کسانوں نے کورٹ کی باتوں کو مسترد کردیا ہے'۔فرق صرف اس قدر ہے'کہ یہاں طاقت ہے'اور حکومت کے پاس اپنی غلطی تسلیم کرلینے کے سوا چارہ نہیں ہے،اس کی ساکھ مجروح نہ ہوجائے اس لیے یہ خود میدان میں اتر پڑی ہے، اب اس عمل کو کس طرح جمہوری اصولوں کے موافق اور انصاف کے مطابق مانا جائے۔

سچ یہ ہے'کہ جس ملک میں تمام جمہوری ادارے حکومت کے زیرِ اثر ہوجائیں وہ کسی طرح سے جمہوری نہیں رہ جاتا ہے'یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہے ،یہی وجہ ہے کہ انتہا پسندی عروج پر ہے، نفرتوں کا ہر طرف بازار گرم ہے'،تعصب کی ہوائیں طوفانی شکل اختیار کرچکی ہیں،ہندو راشٹر کی منزلوں تک ملک کو لے جانے کے لئے تمام غیر انسانی غیر دستوری اور ظالمانہ وآمرانہ حربہ اور عمل جاری ہے،جمہوریت تار تار ہے'،سیکولر ازم سر پیٹ رہا ہے،

ملک انارکی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے'،معاشی لحاظ سے مسلسل پستیوں میں گر رہا ہے'اقتصادیات چرمرا کر رہ گئی ہے'، ہر طرف خوف کا ماحول ہے'، قتل وخون ریزی عام ہے'

غربت کے سائے ہر سو پھیل چکے ہیں افلاس کی دھوپ کی وہ شدت ہے کہ بے شمار زندگیاں روزانہ دم توڑ رہی ہیں، اقلیتوں کی عصمتیں ان کی جان ومال کے تحفظ کی کوئی

ضمانت نہیں ہے، ایسی صورت میں اگر جمہوریت نام پر جشن کا اہتمام کیا جائے تو کس جذبے سے اور کس دل سے؟کس طرح سے اس تعفن زدہ فضا میں مسرتوں کا چراغ جلایا جائے، خوشیوں کا اظہار نفرت بھرے ماحول اور متعصبانہ حالات میں کیسے ممکن ہے،جبر کے ماحول میں اور استبدادی نظام میں اظہار مسرت محض بے روح لفظ،بے کیف ترانے اور ظالمانہ حاکمیت کے نتیجے میں دم توڑتی ہوئی جمہوریت کے نوحے ہوتے ہیں۔۔

شرف الدین عظیم قاسمی الاعظمی
مسجد انوار گوونڈی ممبئی

جمہوریت کے تحفظ میں علماء کا کردار

بقلم :- مفتی اظہارالحق قاسمی بستوی

ہمارے مدرسے کی طرف سے منعقدہ یوم جمہوریہ پروگرام میں آج کی تقریر کا میرا عنوان تھا "جمہوریت کے تحفظ میں علماء کا کردار"۔

ابتدا میں میں اس موضوع کو نہایت سہل سمجھ رہا تھا اور تیاری کے حوالے سے مطمئن تھا کہ اکابر کی قربانیوں کا تذکرہ کرکے واہ واہی ہو جائے گی مگر صدیق مکرم مفتی امانت صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم وقف دیوبند کا اسی حوالے سے ایک مضمون نظر سے گزرا جس نے مجھے چونکا دیا۔

تقریر تو میں نے حسب پروگرام مختصراً جیسی تیسی کردی مگر اس موضوع کو کھل کر سامنے لانے کی ضرورت کا احساس کرکے مندرجہ ذیل سطور پابند قلم و قرطاس کردیا:

ہمارے ملک میں دستور کو لاگو ہوئے آج بہتر سال ہوچکے ہیں۔ ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے جو دستور ہند سے چلتا ہے۔ ہمارا دستور دنیا کا سب سے بڑا مکتوب دستور ہے جس میں سب کے حقوق کی رعایت کی گئی ہے۔ ملک عزیز میں جمہوریت تب تک باقی ہے جب تک دستور باقی ہے۔ جب دستور باقی نہیں رہے گا تب جمہوریت بھی دم توڑ دے گی۔

چناں چہ دستور ہند کی حفاظت جمہوریت کی حفاظت ہے لہذا ضروری ہے کہ ملک کے تمام لوگ اس ملک کے دستور اور اس کی جمہوریت کی حفاظت کریں۔

علماء اسلام کے خون سے ہمارے ملک کا چپہ چپہ لالہ زار ہے۔ انھوں نے اس ملک کی آزادی کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں اور اس ملک کو جمہوری ملک بنوانے میں اہم کردار

ادا کیا، نتیجتاً یہ ملک آزاد ہوا اور گزشتہ ستر سال سے ہم آزادی اور جمہوریت سے مستفید ہو رہے ہیں۔

آج جب یہ ملک ایک ایسے دو راہے پر ہے جہاں سے کسی بھی وقت اس کا رخ بدلا جا سکتاہے اور ملک کی جمہوریت کا کبھی بھی خون ہو سکتا ہے؛ لہذا علماء کے لیے ایک بار پھر ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ اس ملک میں جمہوریت کے تحفظ کے لیے ہم نے اب تک کیا کیا اور مزید ہمیں کیا کرنا ہے۔

جمہوریت کے تحفظ کے حوالے سے اس کے ارکان اربعہ مقننہ، عدلیہ، انتظامیہ اور میڈیا میں علماء کا کردار کیا ہے اس کو بالترتیب سمجھنے اور جہاں ہماری خاطر خواہ نمائندگی نہیں ہے وہاں نمائندگی بڑھانے کی ضرورت ہے۔

1۔ مقننہ، یعنی قانون ساز اسمبلیاں یا پارلیمنٹ۔ اس میں اگر دیکھا جائے تو آزادی کے بعد سے آج تک علماء کی نمائندگی صرف اکی دکی رہی ہے چنانچہ مولانا آزاد، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا اسعد مدنی، مولانا اسرار الحق، مولانا محمود مدنی اور ابھی مولانا بدرالدین اجمل وغیرہ پارلیمنٹ میں اور مفتی اسماعیل وغیرہ صوبائی اسمبلیوں میں بیٹھ کر اور قانون سازی میں اپنی عملی شمولیت کا مظاہرہ کرکے جمہوریت کا تحفظ کرتے رہے ہیں لیکن علماء کی یہ تعداد اطمینان بخش اورموثر نہیں۔ بل کہ اس سے بڑی تعداد میں علماء کو سیاست میں آنا چاہیے تھا اور مستقبل میں آنا چاہیے۔

سیاست ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک نمایاں عنصر رہا ہے۔ موجودہ زمانے میں سیاسی قوت کے حصول کے بغیر اپنی بات منوانا یا ملک کے مسلمانوں کے معیار کو بلند کرپانا تقریباً ناممکن ہے۔

گو ہندوستان کی موجودہ صورت حال میں علماء کے لیے عملی سیاست کسی قدر مشکل ہے مگر ہمت کرکے آگے بڑھنے اور مظلوم لوگوں کی آواز بننے سے ان شاءاللہ کامیابی ضرور ملے گی۔

2۔ عدلیہ، آزاد جوڈیشری یا عدلیہ کسی بھی جمہوریت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ عدلیہ کی کوکھ میں ہی جمہوری ملک کی عوام کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے اور وہیں سے ملک کے ہر شہری کو انصاف ملتا ہے۔

مگر اگر ہم اس باب میں علماء کی کارکردگی دیکھیں تو زیرو نظر آتی ہے۔ ملک کی آزادی کے بعد سے آج تک کوئی عالم عدلیہ کا کوئی قابل قدر ممبر کیوں نہ بن سکا؟

مقننہ کی حد تک مانا جا سکتا ہے کہ اس میں سر دِکھانا رہتا ہے اور وہاں غیر زیادہ ہیں لہذا وہ راستہ قدرے مشکل ہے مگر عدلیہ میں گھسنا کیا مشکل تھا؟ اگر ہمارے لوگوں نے اس طرف توجہ کی ہوتی اور اچھی طرح پڑھائی کی ہوتی تو آج ہزاروں کی تعداد میں ہمارے فضلاء وکیل اور بہتیرے جج ہوتے اور ملک میں پھیلی انارکی کے دفعیے میں اپنا عظیم کردار ادا کررہے ہوتے۔ نہ جانے کیوں اس طرف ہمارے علماء وذمہ داران کی توجہ نہیں گئی؛ کیوں کہ جب آپ نے اس جمہوری ملک میں رہنا طے کرلیا تھا تو آپ کو اس میں اپنی خاطر خواہ نمائندگی بھی رکھنی چاہیے تھی مگر افسوس ہے کہ عدلیہ میں ہم نے اپنی نمائندگی کا تناسب صفر رکھا ہے۔

موجودہ حالات میں اکا دکا علماء کے وکالت کی تعلیم کی طرف توجہ کی خبر سنی گئی ہے مگر یہ کافی نہیں۔ اس میں انقلاب آفریں توجہ کی ضرورت ہے جو اہل مدارس منصوبہ بند طریقے سے انجام دے سکتے ہیں۔

3۔ انتظامیہ، یعنی بیوروکریسی اور آئی اے ایس اور آئی پی ایس وغیرہ جو پڑھ لکھ کر ملک کی شریانوں اور ان کے اندر دوڑتے خون کا کام کرتے ہیں۔ بیوروکریسی میں بھی علماء کی اکی دکی تعداد ہے۔ نتیجتاً بیوروکریسی نیتاؤں کی رکھیل بن کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ بیوروکریسی میں بھی علماء کی تعداد اچھی خاصی ہونی چاہیے تھی۔ مدارس سے فارغ ہونے والے لاکھوں فضلاء میں سے ہر سال دس بیس کو تو آئی اے ایس وغیرہ کے امتحان پاس کرنا ہی چاہیے مگر اس میں بھی ہماری نمائندگی اطمینان بخش نہیں ہے۔

یہ میدان بھی اہل مدارس کے لیے مشکل نہیں تھا کیوں کہ اس میں بھی سر دِکھانے کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ منصوبہ بندی کے ساتھ پڑھائی کرنے کی ضرورت تھی۔

ہمارے دشمن نے عدلیہ اور بیوروکریسی میں منصوبہ بند طریقے سے اپنے دماغوں کو فٹ کردیا ہے اور ہر طرح سے اپنا مقصد پورا کر رہا ہے لیکن ہم اس میں بھی عدم منصوبہ بندی کی وجہ سے بہت حد تک ناکام رہے حالانکہ ہم اس میں بھی موثر کردار ادا کرسکتے تھے۔

4۔ میڈیا، یہ جمہوریت کا چوتھا ستون ہے۔ جمہوریت کے اس ستون کے حوالے سے علماء کی کارکردگی اچھی رہی ہے۔ آزادی بل کہ ماقبل آزادی سے ہی علماء اس میدان میں سرگرم رہے ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ علماء اردو زبان اور پرنٹ میڈیا تک ہی محدود رہے۔ انگریزی میں کچھ نمائندگی ہے بھی کہ چند رسائل علماء کی طرف سے جاری ہوتے ہیں مگر ہندی جو کہ ملک کی اکثریتی زبان ہے اس میں علماء کی کارکردگی ابھی تک تشنہ اور قابل توجہ ہے؛ جب کہ ملک میں سب سے زیادہ ہندی اخبار پرنٹ ہوتے ہیں۔ پھر الیکٹرانک میڈیا کا تو کیا کہنا کہ اس میں علماء صرف تماشائی ہیں، عملی طور سے کوئی

اقدام اب تک نہیں ہوا۔ گزشتہ کچھ دنوں سے ملت ٹائمز و بصیرت آن لائن وغیرہ کوشش کررہے ہیں لیکن یہ بھی کافی نہیں۔

یہ بات آج پایہ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ ملک کا موجودہ میڈیا الاماشاءاللہ حکومت کی لونڈی بن چکا ہے اور موثر میڈیا کے بغیر جمہوری ملک میں اپنے حقوق حاصل کرپانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ جب تک میڈیا ہمارے پاس نہ ہو تو ہم اپنی آواز کیسے حکمرانوں اور دنیا تک پہنچائیں گے؟ اس لیے ضرورت ہے کہ علماء میڈیا کی تعلیم حاصل کرکے اسے بھی اپنا پیشہ بنائیں اور ملک تیس کروڑ مسلمانوں کی آواز بن سکیں۔

اب یہی کہہ کر کہ ہمارے آبا واجداد اور ہمارے اکابر کی قربانیوں سے یہ ملک آزاد ہوا کام چلنے والا نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس جمہوری ملک میں ہم کیا کررہے ہیں اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کو ہم کیسا مستقبل حوالے کر رہے ہیں؟ آیا وہ کہ جس میں ہمارے بعد کی نسلیں ہم پر فخر کریں یا وہ کہ ہمارے بعد وہ ہماری اولاد ہونے پر اور ہماری بزدلی اور عدم منصوبہ بندی پر کف افسوس ملیں؟

یاد رکھیں کہ اس تحریر کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم منصوبہ بندی کرکے اپنے اس ملک کی سیاست میں اور اس ملک کی مظلوم ترین اپنی قوم کی داد رسی میں قابل قدر کردار ادا کر سکتے ہیں،اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ فضلاء کو دنیا دار بننے کی دعوت دی جا رہی ہے

26 جنوری یوم جمہوریہ

بقلم :- مولانا شمس مظاہری

کل کا دن ہمارے پیارے ملک ہندوستان کے لئے ایک انتہائی اہم اور مسرت بخش دن ہے۔۔ہر سال جب جنوری کی 26 تاریخ آتی ہے تو نگاہوں کے سامنے تحریک آزادی کے جیالوں کی پوری تاریخ رقص کرنے لگتی ہے۔ذہن و دماغ میں ان کی عظیم الشان قربانیوں اور مجاھدوں کا سارا منظر گھومنے لگتا ہے۔۔ان کے اخلاص و للّٰہیت اور وفا شعاری و جانثاری کی مکمل داستان جو صدیوں پر محیط ہے اس کے تذکرہ سے اچانک دلوں کے اندر جوش جنوں اور جذبہ صادق کروٹیں لینے لگتا ہے۔۔بے ساختہ زبان تحسین و آفریں کی صدائیں بلند کرنے لگتی ہے اور نگاہوں میں ایک چمک سی پیدا ہو جاتی ہے۔۔
26 جنوری 1950 ہندوستان کی تاریخ کا وہ سنہرا دن ہے جب حصول آزادی کے بعد ملک کے قائدین اور دانشوران اس فکر کو لے کر سر جوڑ کر بیٹھے کہ ملک کا آئین اور دستور کیا ہو ؟؟ چونکہ ملک ہندوستان ایک کثیر المذاہب ملک ہے۔۔مختلف رنگ و نسل اور زبان و مذہب کے لوگ یہاں بستے ہیں۔۔کثرت میں وحدت اس ملک کی خصوصیت ہے۔۔ملک کی تعمیر و ترقی اور انگریزوں کے پنجہ استبداد سے اسے آزاد کرنے میں تمام مذاہب و مسالک کے ماننے والوں کی کم و بیش قربانیاں رہی ہیں۔۔ان تمام حقیقت کے پیش نظر ملک کے قائدین نے فیصلہ کیا کہ ملک کا نظام جمہوری ہونا چاہیئے۔۔۔تاکہ ہر مسلک و مشرب اور فکر و عقیدہ کے لوگ پوری آزادی کے ساتھ ، اپنے اپنے مذہب پر بھرپور

عمل کرتے ہوئے زندگی بسر کر سکیں۔۔ماہر قانون داں اور قانون ساز بابا بھیم راؤ امبیڈکر کی قیادت میں دو سال گیارہ ماہ اٹھارہ دن کی کافی محنت و مشقت اور دل سوزی و جگر سوزی کے نتیجہ میں دستور ہند کی دفعات تیار ہوئی اور کافی بحث و مباحثہ اور رد و قدح کے بعد26 نومبر 1950 کو دستور قبول کر لیا گیا۔۔24 جنوری 1950 کو مولانا حسرت موہانی رحمہ اللہ کے علاوہ تمام اراکین نے دستور ہند پر اپنے اپنے دستخط ثبت کر دئے اور 26 جنوری 1950 کو یہ سیکولر اور جمہوری نظام نافذالعمل قرار دیا گیا۔۔

دستور ہند کا آغاز ایک خوبصورت جملہ سے کیا گیا " ہم ہندوستانی عوام تجویز کرتے ہیں کہ ہندوستان ایک آزاد، سماج وادی اور جمہوری ملک کی حیثیت سے وجود میں لایا جائے۔جس میں تمام شہریوں کے لئے سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف ، آزادئ خیال ، اظہار رائے ، آزادئ عقیدہ و مذہب و عبادات ، مواقع اور معیار کی برابری ، انفرادی تشخص اور احترام کو یقینی بنایا جائے۔۔ملک کی سالمیت اور یکجہتی کو قائم و دائم رکھا جائے"

دوستو!!! جمہوریت فکری آزادی اور رائے کے احترام کا تقاضہ کرتی ہے۔۔جمہوریت کا منشا ملک کی گنگا جمنی تہذیب کی بقا ہے۔جمہوریت کا مطلب عوام الناس کی خواہشات کی تکمیل ہے ۔۔ عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے ،عوام کے مفاد کے لئے جمہوریت کی بنیاد ہے۔۔جمہوریت میں ڈکٹیٹر شپ کا کوئی مقام نہیں۔۔جمہوری نظام میں عوام کی جانب سے منتخب کیا ہوا نمائندہ عوام کا خادم ہوا کرتا ہے۔۔جو عوام الناس کے جذبات کی بھرپور رعایت کرتا ہوا ان کے لئے پرسکون ماحول اور اطمینان بخش فضا ہموار کرتا ہے۔۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک خاص نظریہ کی حامل جماعت ملک کے جمہوری نظام کو شروع ہی سے ہضم نہیں کر پا رہی ہے۔۔اسی لئے جب سے اسے اقتدار کی کرسی حاصل ہوئی ہے ۔۔ سب سے پہلے اس نے جمہوریت پر مبنی نظام کو اپنے پاؤں تلے روندنے کی مذموم کوشش کی ہے۔۔

صاحبو !!!کیا اج ایسا محسوس نہیں ہو رہا ہے کہ ملک کی جمہوریت پر شب خون مارا جا رہا ہے۔۔ منمانی اور ڈھٹائی اپنے عروج پر ہے ۔۔عوام سے نظام کی خامی پر تنقید کرنے کا حق چھینا جا رہا ہے۔۔لوگوں کی صدائیں اور ان کے احتجاج صدا بصحرا ثابت ہو رہے ہیں۔۔ان کے جذبات سے کھلواڑ کیا جا رہا ہے۔ان کے ارمانوں کا خون کیا جا رہا ہے۔۔کوئی کسی کی سننے کو تیار نہیں صرف اپنی مرضی تھوپنے کی ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں۔۔ملک کی گنگا جمنی تہذیب کو درکنار کر کے ایک خاص رنگ میں رنگنے کے منصوبے ہو رہے ہیں۔۔ملک میں بسنے والی اکثریت کے ذہن کو ملک کی بڑی اقلیت کے خلاف مسموم کرنے کی سعی پیہم ہو رہی ہے۔۔نئے نئے قوانین بنائے جا رہے ہیں اور جبرا تھوپے جا رہے ہیں۔۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک میں بسنے والے تقریبا سوا سو کروڑ باشندے ہوش کے ناخن لیں۔تحفظ جمہوریت اور تحفظ ملک کے لئے کمر کس لیں ۔۔اپنی نسلوں کو آزادئ ہند کے جیالوں کی قربانیوں سے روشناس کرائیں۔ انہیں جمہوریت کے معانی و مفاہیم بتائیں۔۔انہیں بتائیں کہ ہمارا یہ پیارا وطن ایک طویل قربانیوں اور جدوجہد کا رہین منت ہے۔۔اور ملک کی حفاظت و سالمیت ملک میں بسنے والے ہر شہری کی ذمہ داری ہے۔۔انہیں بتائیں کہ ملک کے قوانین ہمیں کیا حقوق عطا کرتے ہیں ؟؟ اور ہم کس طرح ملک کے ایک اچھے شہری ثابت ہو سکتے ہیں؟؟

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اکابرین آزادی اور مجاہدین ازادی کے لئے اس سے بہتر خراج عقیدت اور کوئی نہیں ہو سکتا۔۔

یاد رکھیں۔۔۔اگر ہماری غفلت ، کوتاہی اور بزدلی کی وجہ سے آئین ہند کے بنیادی ڈھانچے یوں ہی مسمار ہوتے رہے تو شاید تاریخ ہمیں کبھی بھی معاف نہ کر سکے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شمس پرویز مظاھری، مہتمم مدرسہ نظامیہ دار القران دگھی وایا مہگاواں گڈا